علمی و تحقیقی مجلّہ

ثقافتی قونصلیٹ سفارت اسلامی جمہوریہ ایران۔ اسلام آباد

پیغامِ آشنا

جلد ۲۲، شمارہ ۸۷، سال ۲۰۲۲ء
(اپریل تا جون)

ISSN: 2079-4568

بسم الله الرحمن الرحیم

اہم گزارشات

⇦ ایران اور پاکستان صدیوں سے دوستی اور اخوت کے بے شمار رشتوں میں منسلک ہیں۔ پیغام آشنا کے اجراء کا مقصد ان دونوں ملکوں کے درمیان اس خطے کی مشترکہ علمی، ادبی، تاریخی اور ثقافتی میراث کو محفوظ اور مستحکم بنانا ہے۔

⇦ پیغام آشنا ایچ۔ای۔سی سے منظور شدہ تحقیقی مجلہ ہے جس میں فارسی اور اردو زبان و ادب کے حوالے سے غیر مطبوعہ مقالات ''ایچ ای سی'' کے طے کردہ ضوابط کے مطابق شائع کیے جاتے ہیں۔

⇦ مقالے کا ''ایچ ای سی'' کے مجوزہ روش تحقیق اے، پی اے (APA) پر مشتمل ہونا لازمی ہے۔

⇦ تمام مقالات مجلس مشاورت کی منظوری کے بعد شائع کیے جاتے ہیں۔

⇦ اشاعت کے لیے قبول کیے جانے والے مقالات میں ادارہ ضروری ادارتی ترمیم، تنسیخ اور تلخیص کا حق محفوظ رکھتا ہے۔

⇦ مقالہ ارسال کرتے ہوئے درج ذیل اصولوں کو ملحوظ رکھا جائے جو کہ آج کے ترقی یافتہ علمی دنیا میں بالعموم رائج ہیں۔ مقالہ اے فور جسامت کے کاغذ پر ایک ہی جانب کمپوز کروا کر بھیجا جائے۔ مقالے کے ساتھ اردو اور انگریزی زبان میں خلاصہ (Abstract) (تقریباً ۱۰۰ الفاظ) کلیدی الفاظ اور عنوان ضرور شامل کیا جائے۔ مقالے کی سی ڈی بھی ساتھ ضرور ارسال فرمائیں۔ یعنی مقالہ کی ''ہارڈ'' اور ''سوفٹ'' کاپی دونوں ارسال کی جائیں۔

⇦ مقالہ کے عنوان کا انگریزی ترجمہ، مقالہ نگار کے نام کے انگریزی ہجے اور موجودہ عہدہ، نیز مکمل پتہ، برقی پتہ اور فون نمبر درج کیا جائے۔

ہائیر ایجوکیشن کمیشن پاکستان سے منظور شدہ

سہ ماہی

پیغامِ آشنا

جلد۔۲۲،شمارہ۔۸۷، سال ۲۰۲۲ء

(اپریل تا جون)

مدیر اعلیٰ

احسان خزاعی

مدیر (اعزازی)

ڈاکٹر علی کمیل قزلباش

ثقافتی قونصلیٹ

سفارت اسلامی جمہوریہ ایران۔اسلام آباد

مکان نمبر ۲۵،گلی نمبر ۲۷،ایف ۶/۲ ،اسلام آباد۔

فون نمبر :۸۔۲۸۲۷۹۳۷ ۰۵۱ فیکس ۲۸۲۷۱۷۷۴ ۰۵۱

برقی پتہ: iran.council@gmail.com,payghameashna@gmail.com

ویب سائٹ:http: // ur.icro.ir/IslamAbad

Facebook address: www.facebook.com/Raiezani.islamabad

ISSN:2079-4568

مجلس ادارت

افتخار عارف، سابق ڈائریکٹر جنرل، ادارہ فروغ اردو، اسلام آباد

پروفیسر ڈاکٹر محمد سلیم اختر، سابق استاد قائد اعظم یونیورسٹی۔ اسلام آباد

ڈاکٹر ہلال نقوی، پاکستان اسٹڈی سنٹر، کراچی یونیورسٹی، کراچی

ڈاکٹر محمد اکرم اکرام، صدر، اقبال چیئر، پنجاب یونیورسٹی، لاہور

ڈاکٹر مہر نور محمد خان، سابق صدر، شعبہ فارسی نمل یونیورسٹی، اسلام آباد

ڈاکٹر محمد یوسف خشک، چیئرمین اکادمی ادبیات پاکستان۔ اسلام آباد

ڈاکٹر شگفتہ موسوی، سابق صدر شعبہ فارسی نمل اسلام آباد

ڈاکٹر امبر یاسمین، صدر، شعبہ فارسی نمل۔ اسلام آباد

مجلس مشاورت

ڈاکٹر ابراہیم محمد ابراہیم، صدر، شعبہ اردو، الازہر یونیورسٹی، قاہرہ، مصر

ڈاکٹر حیدر رضا ضابط، اسلامی تحقیقی مرکز، آستان قدس رضوی، مشہد، ایران

ڈاکٹر خلیل طوق آر، صدر، شعبہ اردو، انقرہ یونیورسٹی، استنبول، ترکی

پروفیسر ڈاکٹر خالد محمود خٹک۔ صدر، شعبہ اردو، جامعہ بلوچستان۔ کوئٹہ

پروفیسر سحر انصاری، انجمن ترقی اردو، کراچی

ڈاکٹر عبداللہ جان عابد، صدر، شعبہ پاکستانی زبانیں، علامہ اقبال یونیورسٹی، اسلام آباد

ڈاکٹر عراق رضا، صدر، شعبہ فارسی، جامعہ ملیہ اسلامیہ، دہلی، ہندوستان

ڈاکٹر علی بیات، صدر، شعبہ اردو، تہران یونیورسٹی، تہران

ڈاکٹر مقصود الٰہی شیخ محقق، دانشور، بریڈ فورد، انگلستان

ڈاکٹر محمد ناصر، صدر، شعبہ فارسی، اورینٹل کالج، پنجاب یونیورسٹی، لاہور

ڈاکٹر نجیبہ عارف، ڈین، اسلامک انٹرنیشنل یونیورسٹی، اسلام آباد

فہرست

اداریہ		
مولانا جلال الدین رومی کی مثنوی (دفترِ دوّم) میں صنعت تجنیس	مسرّت واجد/شازیہ سلطانہ ہاشمی	۸
مفتیِ اعظم قسطنطنیہ، علامہ شیخ سلیمان حنفی بلخی قندوزی نقشبندی	مخدوم سید علی عباس شاہ	۲۱
لکھنوی اُردو غزل میں مسلم تہذیب وثقافت (کلاسیکی عہد)	محمد اعجاز تبسم	۴۰
اقبال کی شاعری میں اُردو داستانی اخلاقی اقدار	ثمینہ سیف	۵۵
مثنوی ''گلزارِ نسیم'' میں فارسی مرکبات ناقص	غلام یاسین / گلشن طارق	۶۳
بلوچی اور براہوئی زبان وادب ایک جائزہ	زاھد حسین دشتی/عابدہ بلوچ/ دردانہ	۷۳
مرزا اطہر بیگ کی ناول نگاری بحوالہ (''حسن کی صورت حال'' ـ ـ)	خدیجہ شاہد	۸۲

★★★

اداریہ

بسی رنج بردم در این سال سی　　　　عجم زندہ کردم بدین پارسی

پیغام آشنا کی روایت رہی ہے کہ فارسی زبان و ادب کے ساتھ اردو اور دیگر پاکستانی زبانوں کے ادب کی ترویج کرے اور اس کے ساتھ ہی ان دو ممالک کے برادرانہ روابط اور مشترک ثقافت کی تفہیم و تکمیل کے لئے فضا ہموار کرے ۔اس سلسلے میں دونوں ممالک کے علمی ،تاریخی اور ادبی مشاہیر کو خصوصی توجہ دی گئی ہے ۔

فارسی ادب میں فردوسی ، رومی ،عطار ،حافظ ،نظامی اور سعدی جیسے نام لئے جاسکتے ہیں ۔اسی طرح پاکستان کی شناخت کا اہم ترین اور توانا ترین حوالہ علامہ محمد اقبال ہیں جن کے نام سے دنیا بھر میں پاکستان کو وقار ملتا ہے بلکہ شناخت ملتی ہے ۔ یہاں ایران کا حوالہ دیا جاسکتا ہے کہ جہاں اکثر پاکستانیوں کا اہل ایران کی جانب سے گرمجوشی سے استقبال صرف اس لئے ہوتا ہے کہ وہ اقبال کا ہم وطن ہے ۔ایران میں اقبال کی محبت کا عالم یہ ہے کہ وہاں کے ہر ہر فرد کو نہیں تو کم از کم ہر دوسرے تیسرے فرد کو اقبال کا کچھ نہ کچھ کلام ضرور ازبر ہے ۔ بلکہ ایک مزدور سے لے کر وزیر، صدر اور رہبر تک کو اقبال ازبر ہے ۔لہذا یہ بات ثابت ہوئی کہ اقبال نہ صرف پاکستان کے بلکہ ایران کے بھی مفکر ،شاعر اور دانشور ہیں ۔

رہبر معظم حضرت آیت اللہ خامنہ ای تو اقبال سے عقیدت رکھتے ہیں اور ان کی کتاب ،،ستارہ بلند شرق ،،ان کی اقبال دوستی اور اقبال شناسی کی عمدہ مثال ہے ۔جبکہ ایران کی یونیورسٹیوں میں اقبال پر بڑی تیزی سے کام ہو رہا ہے اور ایران بھر میں ان کے نام سے ادارے ،سکول اور سڑکوں کے نام رکھے جا چکے ہیں ۔

قابل ذکر یہ کہ انقلاب اسلامی سے قبل ،اقبال کو ایران میں یہ مقام حاصل نہیں تھا اور نا ہی اقبال شناسی کی روایت اتنی مقبول تھی بلکہ اس وقت کی رژیم کو اقبال پسند ہی نہیں تھا کیونکہ وہ ایک جابر اور آمر حکومت تھی اور اقبال کا کلام آمریت کی مخالف آواز ۔دوسری جانب اقبال نے یہ پیش گوئی بھی فرمائی تھی کہ

می رسد مردی که زنجیر غلامان بشکند

دیده ام از روزن دیوار زندان شما

یہاں یہ حوالہ دینا ضروری ہے کہ انقلاب اسلامی کی جڑوں میں اقبال کی شاعری کی آبیاری اہم ترین حوالہ ہے۔ اور مندرجہ بالا شعر میں بانی انقلاب اسلامی حضرت امام خمینی کی جانب اشارہ ہے۔ اقبال اس پیش گوئی کی بصیرت رکھتے تھے لہذا انہوں نے یہ فرمادیا۔ اور یہ بھی فرمایا کہ

تہران ہو گر عالم مشرق کا جنیوا شاید کرۂ ارض کی تقدیر بدل جائے

علامہ اقبال کی بڑی خواہش تھی کہ ایران کا دورہ کرے اور اس سرزمین کو قریب سے دیکھے جہاں کے مشاہیر نے اسے اقبال بنناسکھایا۔ لیکن اس وقت کی قدرنا شناس حکومت کو یہ اعزاز حاصل نہ ہوسکا۔

ہماری کوشش ہوتی ہے کہ اقبال کے حوالے سے زیادہ سے زیادہ خدمت انجام دے سکیں کیونکہ عرفا اور کلاسیک شعرا کے بعد یہ واحد ہستی ہیں جو اس وقت پاکستان میں فارسی کی آبرو اور آواز ہیں اور ایران اور پاکستان کی دوستی کا ایک مضبوط حوالہ ہیں۔ اپریل علامہ اقبال کی وفات سے منسوب مہینہ ہے اور جون حضرت امام خمینیؒ کی وفات کی وجہ سے ان سے منسوب ہے لہذا انقلاب ایران کے ذکر کے ساتھ ان دونوں عظیم ہستیوں کا ذکر بھی لازمی تھا۔

پاک ایران دوستی پائندہ باد

احسان خزاعی

مولانا جلال الدین رومی کی مثنوی (دفتر دوّم) میں صنعت تجنیس

* ڈاکٹر مسرّت واجد ** شازیہ سلطانہ ہاشمی

Figure of Speech Pun:usage in Maheulana's Mathnavi(Chapter 2nd)

Dr. Musarrat Wajid

Mrs. Shazia Sultana Hashmi

Poets and Writers ornate their prose and poetry with various figures of speech like Talmeeh,Tazad,Meraat un Nazeer,Laf wa nasher,Husn e Taaleel and Saja and it is called as Figure of speech and one such is named as Tajnees or Jinas.Tajnees has many forms.In this article Tajnees has been studied in Mathnavi of Maulana (chapter 2nd) and examples have been qouted from Mathnavi,which carry a large numbers of couplets depicting this figure of speech.

خلاصہ:

منظوم و منثور تحریریں لکھتے ہوئے مصنفین اور ادباء، تین طرح کے علوم سے استفادہ کرتے ہیں۔علم بیان، معانی اور بدیع۔علم بدیع کی دو اقسام ہیں: بدیع لفظی اور بدیع معنوی۔بدیع لفظی میں سے ایک صنعت تجنیس/صنعت جناس بھی ہے۔اور اس سے مراد کلام میں ایسے دو رکن جناس لانا، جو کبھی نقطوں، اعراب، کلمات میں کمی یا زیادتی سے دوسرے الفاظ یا کلمات بنتے ہیں جو معنی کے لحاظ سے مختلف ہوتے ہیں۔تجنیس کی کئی اقسام ہیں۔اور یہ قسم مثنوی مولوی میں بہت زیادہ پائی جاتی ہے۔مثنوی کے چھ دفتر ہیں۔اس مضمون میں مثنوی کے دفتر اوّل سے تجنیس کی چند اقسام کی شعری مثالوں سے وضاحت کی گئی ہے۔

کلیدی الفاظ: علم بدیع، صنعت تجنیس، مثنوی مولوی، دفتر دوّم، اقسام صنعت تجنیس۔

* * پروفیسر، شعبہ فارسی اسلامیہ یونیورسٹی، بہاول پور ** پی ایچ ڈی سکالر شعبہ فارسی، اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور

قاری جب بھی کوئی نثری تحریر یا منظوم کلام دیکھتا ہے تو، اسے دو طریقوں سے پرکھتا ہے۔پہلی چیز، بیان اور دوسری چیز انداز بیان۔یعنی کیا بات کی ہے اور کس انداز سے کی ہے۔اس کے لیے شعراء اور ادباء، علم بیان، علم معانی اور علم بدیع سے استفادہ کرتے ہیں۔ان تینوں علوم، یا ان میں سے کسی کا برمحل و بہترین استعمال قاری کو، داد دینے پر مجبور کرتا ہے۔علم بدیع جسے صنعت بدیع بھی کہا جاتا ہے؛ کی دو اقسام ہیں۔ا۔صنعت بدیع لفظی۔۲۔صنعت بدیع معنوی۔

صنعت بدیع لفظی:

صنت بدیع معنوی:

صنعت بدیع لفظی کی اقسام میں سے ایک ،صنعت تجنیس رصنعت جناس بھی ہے۔مولانا جلال الدین رومی (۱۲۰۷ء۔ ۱۲۷۳ء)؛ فارسی ادب میں، مولا نا، مولوی اور رومی کے نام سے جانے جاتے ہیں ؛ان کی چھبیس ہزار(۲۶۰۰۰)اشعار پر مشتمل، شہرہ آفاق مثنوی ،میں فکروفن کی ایک دنیا آباد ہے۔اس فن کی دنیا میں سے ایک تجنیس بھی ہے۔جسے دیکھ اور پڑھ کر کوئی بھی قاری تحسین پیش کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔اور پوری مثنوی میں، تقریباً ہر دوسرے شعر میں یہ صنعت ملتی ہے۔اس وقت زیر تحریر تحقیقی مضمون میں، مثنوی کے چھ دفتروں میں سے صرف دفتر دوّم میں سے صنعت تجنیس کی چند اقسام کو پیش کیا جا رہا ہے۔اس مضمون میں، تمام اقسام کو الفبائی انداز میں لایا گیا ہے اور اشعار کی مثالوں کے لئے مثنوی کے درج ذیل نسخوں سے استفادہ کیا گیا ہے:

۔ رومی، جلال الدّین، مثنوی معنوی، جلد ا، رینولد الّین نیکلسون، مؤسسہ مطبوعاتی علی اکبر، تہران، سال ندارد

۔ رومی، جلال الدّین، مثنوی معنوی، مترجم، سجاد حسین، قاضی، دفتر اوّل و دوّم، الفیصل، لاہور، ۱۹۷۴ء

مضمون میں بین السطور حوالہ میں طوالت سے بچنے کے لئے ترجمہ سجاد حسین، کا حوالہ صرف (دفتر دوّم، ص:؟) دیا گیا ہے لیکن دوسرے نسخے سے استفادہ کی صورت میں (نیکلسون، ص:؟) لکھا جائے گا۔

تجنیس کے لغوی معنی: ہم جنس کرنا یا ہونا ہے۔یکساں کرنا یا ہونا۔(حسن اللغات، اورینٹل بک سوسائیٹی ،لاہور، ص:۱۸۸)

تجنیس کے اصطلاحی معنی: اصطلاح میں اس سے مراد، دو لفظوں کا تلفظ میں متحد اور معنی میں مختلف ہونا ہے۔ان دونوں حروف کو دو رکن جناس کہا جاتا ہے۔(ہمایی، فنون بلاغت وصناعات ادبی، ص:۲۸۔ ۲۹)

اقسام تجنیس: تجنیس کی کئی قسمیں ہیں (دیکھئے : تفہیمی، ساجد اللہ، فرہنگ اصطلاحات علوم ادبی، اسلام آباد، ۱۹۹۶ء، صص ۱۰۳: ـ ۱۰۶) اور مثنوی معنوی میں بھی بہت سی اقسام موجود ہیں ـ اس دفتر میں تجنیس مطرف، خطی، مکرر اور اشتقاق کی بہت زیاد مثالیں ملتی ہیں اس کے مقابلے میں تام، زائد، قلب، لفظی، مرکب اور ناقص کی کم مثالیں ملتی ہیں ـ مثنوی مولوی، دفتر دوّم میں جو جو اقسام موجود ہیں، اس تحقیقی مضمون میں، انہیں زیر بحث لایا جارہا ہے اور طوالت سے بچنے کے لئے، کم سے کم مثالیں پیش کی جائیں گی ـ

۱ـ تجنیس اشتقاق/اقتضاب: تجنیس کی اس قسم سے مراد، ارکان تجنیس کا، اس طرح لانا یا ہونا کہ دونوں ایک ہی مادہ سے مشتق قرار پائے ہوں ـ (شرف الدین، حقایق الحدایق، ص ۱۴:) مثلاً:

پس **بخسپم** باشم از اصحابِ کهف　　　به ز دقیانوس باشد **خوابِ** کهف

(دفترِ دوّم، ص ۱۸:)

اس شعر کے مصرع اولی میں، خسپ، جس کا مطلب سوجانا ہے اور دوسرے مصرع میں، خواب یعنی سوجانا یا نیند بھی خسپیدن مصدر سے ہے ـ یعنی خواب، خسپیدن سے مشتق ہے ـ اس لئے تجنیس اشتقاق کی مثال ہے ـ

خواب بیداریست چون با**دانش** ست　　　وای بیداری که با**نادان** نشست

(دفترِ دوّم، ص ۱۸:)

اس شعر کے پہلے مصرعے میں، دانش اور دوسرے مصرعے میں، نادان: دانستن سے مشتق ہے ـ جو کہ تجنیس اشتقاق کی مثال ہے ـ

گرچه با تو، شه **نشیند** بر زمین　　　خویشتن بشناس و نیکو تر **نشین**!

(دفتر دوّم، ص ۴۶:)

درج بالا میں، نشیند اور نشین دو رکن جناس ہیں اور دونوں : نشستن مصدر سے مشتق ہیں ـ گویا تجنیس اشتقاق کی مثال میں شامل ہیں ـ

۲ـ تجنیس تام: اس سے مراد یہ کہ کلام میں ایسے دو الفاظ ہونا یا لانا جو حروف، حرکات، سکون اور ترتیب میں بالکل ایک جیسے ہوں، لیکن نوعیت کے لحاظ سے مختلف ہوں اور معنی کے لحاظ سے بالکل مختلف ہوں، تو تجنیس تام کہلاتے ہیں ـ (شرف الدین حسن بن محمد رامی تبزیزی، حقایق الحدایق، ۱۳۴۱ھ ـ ش، ص ۵) اس کی دو قسمیں

ہیں: متماثل، مستوفی۔اس کی تفصیل درج ذیل ہے۔

تجنیس تام متماثل رمماثل : یہ تجنیس تام کی ایک قسم ہے۔جس میں ارکان تجنیس کی نوعیت بھی ایک ہی ہو۔یعنی دونوں اسم یا دونوں فعل ہوں۔(معظمہ اقبالی، صنایع لفظی و معنوی، کتاب اوّل، ص ۱۶۳:)

تا نپوشَد رویِ خود را از دَمَت   دَم فرو بُردن بباید هر دَمت

(دفترِ دوّم، ص ۱۸:)

اس شعر کے پہلے مصرعے میں دَم، جس کا مطلب پھونک ہے اور دوسرے مصرعے میں دَم، جس کا مطلب وقت ہے، دو رکن جناس ہیں۔اور دونوں اسم ہیں اس لئے تجنیس تام مماثل کی مثال ہیں۔

راست کُن! اجزات را، از راستان   سرَ مَکَش ای راست رَو! زان آستان

(دفترِ دوّم، ص ۲۶:)

اس میں پہلے راست کا مطلب سیدھا اور دوسرے راست کا مطلب سچا ہے۔اور یہ دو رکن جناس اسم ہیں۔اس طرح سے یہ تجنیس تام مماثل کی قسم ہیں۔

گفت:رو! زین حلقه کین دَر باز نیست   باز گرد! امروز روزِ راز نیست

(دفترِ دوّم، ص ۲۲۹:)

درج بالا شعر میں، باز رباز دو رکن جناس ہیں۔ایک کا مطلب کھلا اور دوسرے کا معنی واپس کا ہے۔دونوں حرف ہیں اس لئے تجنیس تام مماثل رمتماثل کی مثال ہے۔

ب۔ تجنیس تام مستوفی: دونوں متجانس الفاظ کا نوعیت کی وجہ سے مختلف ہونے کو تجنیس تام مستوفی کہا جاتا ہے۔یعنی اس میں سے ایک رکن اسم ہو تو دوسرا فعل یا ایک حرف ہو تو دوسرا حرف وغیرہ۔

(معظمہ اقبالی، صنایع لفظی و معنوی، کتاب اوّل، ص ۱۶۵:)

مثنوی مولوی، دفتر دوّم میں، تجنیس کی، اس قسم کی مثالوں کے نمونے درج ذیل ہیں:

بُلبلی زینجا برفت و باز گشت   بهرِ صیدِ این معانی بازگشت

(دفتر دوّم، ص ۱۶:)

ساعدِ شه مَسکنِ این باز باد!   تا ابَد بر خلق این در باز باد!

(دفتر دوّم، ص: ایضاً)

درج بالا اشعار میں باز، باز دو رکن جناس ہیں۔ لکھنے اور بولنے میں بالکل ایک سے ہیں ان میں پہلے شعر کے پہلے مصرعے میں باز، حرف ہے اور دوسرے مصرعے میں ُباز ٗاسم ہے جوکہ مشہور پرندہ ہے۔ اسی طرح دوسرے شعر کے پہلے مصرعے میں ُباز ٗاسم ہے جب کہ دوسرے مصرعے میں ُباز ٗحرف ہے جس کا مطلب کھلا رہنا ہے۔ گویا یہ تجنیس تام مستوفی کی مثالیں ہیں۔ اسی طرح ملاحظہ فرمائیں!

گفتم ای دل آئینه کُلّی بجو رَو به دریا کار برناید زجُو

(دفترِ دوّم،ص ۲۴:)

اس شعر کے پہلے مصرعے کے آخر پر جُو، بہ معنی تلاش کرنا جوکہ جُستن سے فعل امر صیغہ واحد حاضر ہے اور مصرع دوّم مے آخر پر، جُو سے مراد آب جوی یعنی ندی ہے۔ اس طرح پہلا جُو فعل، دوسرا جُو، اسم ہے، جو کہ تجنیس تام مستوفی کی مثال بنتی ہے۔

همچو شیران صیدِ خود را،خویش کُن! تَرکِ عشوه اجنبی و خویش کُن!

دفتر دوّم،ص ۳۹:)

اس شعر میں رکن اوّل خویش بہ معنی خود یعنی اپنے کے ہے، جبکہ رکن دوّم خویش بہ معنی عزیز و رشتہ دار کے ہیں۔ جبکہ لکھنے اور پڑھنے کے لحاظ سے بالکل ایک سے ہیں۔ پہلا خویش حرف اور دوسرا اسم ہے۔ اس لئے تام مستوفی میں شامل ہوگا۔

غیرتِ من برسرِ تو دور باش می زندکای خَس ازین دَر دور باش!

(دفترِ دوّم،ص ۲۰۵:)

درج بالا شعر میں دور باش/دور باش دو رکن جناس تام ہیں۔ پہلے دور باش سے مراد، دوشاخہ نیزہ ہے اور دوسرے دور باش کا مطلب دور رہ ہے۔ یعنی پہلا رکن اسم اور دوسرا فعل امر ہے، اس طرح یہ تجنیس تام مستوفی کی مثال ہے۔

۳۔ **تجنیس ترصیع**: جسے تجنیس مع الترصیع یا ترصیع مع التجنیس بھی کہا جاتا ہے۔ اس سے مراد کلام میں متجانس اور ہم وزن وہم قافیہ الفاظ کو ایک دوسرے کے مقابل لانا: (تفہیمی، فرہنگ اصطلاحات علومِ ادبی، ۱۹۹۶ء، ص ۱۰۶:)

نُور باقی پهلوی دنیایِ دون شِیرِ صافی پهلوی جوهای خون

(دفترِ دوّم،ص ۱۶:)

درج بالا شعر تجنیس ترصیع کی مثال ہے۔

هم ترازو را، ترازو راست کرد　　　هم ترازو را، ترازو کاست کرد

(دفترِ دوّم،ص ۲۶:)

اس قسم کی چند اور مثالیں دیکھئے!

از محبت تلخها شیرین شود　　　از محبت مسها زرین شود

از محبت دُردها صافی شود　　　وز محبت دَردها شافی شود

از محبت خارها گل می شود　　　از محبت سرکها مُل شود

از محبت دار ،تختی می شود　　　وز محبت بار بختی می شود

از محبت سجن گلشن می شود　　　بی محبت روضه گلخن می شود

از محبت نار نوری می شود　　　وز محبت دیو، حوری می شود

از محبت سنگ روغن می شود　　　بی محبت موم، آهن می شود

از محبت نیش، نوشی می شود　　　وز محبت شیر موشی می شود

از محبت سُقم صحت می شود　　　وز محبت قهر رحمت می شود

از محبت خار سوسن می شود　　　وز محبت خانه روشن می شود

از محبت مرده زنده می کنند　　　از محبت شاه بنده می کنند

(دفتر دوّم،ص ۱۵۳:)

هندیان را، اصطلاحِ هند مدح　　　سندیان را، اصطلاحِ سند مدح

۴۔ ***تجنیس خطی/تجنیس مصحف/تصحیف:*** تجنیس کی اس قسم میں، دونوں ارکان تجنیس شکل وصورت بالکل ایک جیسے لکھے جاتے ہیں لیکن صرف نقطوں کی وجہ سے مختلف پڑھے جاتے ہیں اور مختلف المعنی بھی بن جاتے ہیں۔مثلاً: حبت۔ محنت،رحمت۔زحمت،وغیرہ۔(معظمہ اقبالی،صنایع لفظی ومعنوی،کتاب اوّل،ص ۱۶۵:) مثالیں ملاحظہ فرمائیے:

دربیان ناید جمالِ حالِ او　　　هر دو عالم چیست،عکسِ خالِ او

(دفتر دوّم،ص ۳۲:)

اس مثال میں حال اور خال دو رکن جناس ہیں۔ جن میں صرف نقطوں کے فرق سے مطلب بدل گیا ہے۔

آسمان در دَورِ ایشان، جرعه نوش آفتاب از جُودِ شان زر بفت **پوش**

(نیکلسون، دفتر دوّم، ص ۲۵۷:)

هم سخن دیدی تو خود را، باخدا! ای بسا کس زین گمان افتُد **جُدا**

(نیکلسون، دفتر دوّم، ص ۲۶۵:)

درج بالا شعر میں خدا اور جدا شکل و صورت میں بالکل ایک جیسے ہوتے ہیں صرف نقطوں کے فرق سے لفظ اور معنی بدل گیا ہے۔

۵۔ تجنیس زائد : یہ تجنیس کی وہ قسم ہے جس میں ارکان تجنیس میں ، ایک یا دو حرف، کبھی شروع، کبھی درمیان میں اور کبھی آخر پر زائد ہو۔ (نثاری، چہار گلزار، ۱۲۸۸، ص ۳۵) و (کامیار، وحید یان، تقی، دکتر، بدیع از دیدگاہ زیبایی شناسی، چاپ سوّم، ۱۳۸۷ء، ص ۲۴:)

همچو دیو از وی فرشته می گریخت بهرِ نانِ چنس، آبِ چِشم **ریخت**

(دفترِ دوّم، ص ۱۶:)

شعرِ بالا کے مصرع اوّل میں گریخت اور مصرع دوّم میں ریخت، دو رکن جناس ہیں۔ کیوں کہ ان میں سے ایک رُکن میں ایک حرف شروع میں زائد ہے۔ گویا یہ تجنیس زائد کی مثال ہے۔

گر ترا می گفتمی اوصافِ مار ترس از جانت بر آوردی **دِمار**

(دفترِ دوّم، ص ۱۸۷:)

اس شعر میں مار/دمار دو رکن جناس زائد ہیں اور ایک حرف کی یہ زیادت شروع میں ہے۔

هم ببینی نقش و هم نقاش را **فرشِ** دولت را و هم **فرّاش** را

(دفتر دوّم، ص ۲۱:)

اس مثال میں دو رکن جناس میں سے ہر ایک 'الف' زیادہ ہو کر اسم فاعل کے معنی دینے لگا ہے۔

ای **دهانِ** تو خود **دهانه** دوزخی وی جهان تو بر مثالِ برزخی

(دفترِ دوّم، ص ۱۶:)

اس شعر کے مصرع اوّل میں دہان یعنی مُنہ، دہانہ بہ معنی کنارا آیا ہے، دونوں دو رکن جناس ہیں۔ کیوں کہ ایک کلمے کے آخر پر حرف کے اضافے سے ایک اور کلمہ بنا ہے اسی لئے یہ تجنیس زائد کی مثال ہے۔

۶۔ **تجنیس زایدومذیّل** : حروف متجانس میں سے ایک میں، دو حروف زیادہ ہوں۔ (عابد، البدیع، ۲۰۰۱ء، ص ۲۵۴:) مثنوی سے مثالیں دیکھئے:

خلوت از اغیار باید نی ز یار پوستین بهرِ دی آمد،نی بهار

(دفترِ دوّم، ص ۱۷:)

اس شعر کے پہلے مصرعے میں :اغیار، یار دو رکن جناس ہیں۔ اور یار کے شروع میں دو کلمات زیادہ ہیں اس لئے تجنیس زائد و مذیلکی مثال ہے۔ اسی طرح دوسرے مصرعے میں 'بہر' اور 'بہار' دو رکن جناس ہیں جن میں سے ایک کے درمیان حرف 'الف' آنے سے ایک اور تخلیق ہوا، جو کہ تجنیس زائد کی مثال ہے۔

بر سرِ اغیار چون شمشیر باش! هین مکُن روباه بازی شیر باش!

(دفترِ دوّم، ص ۲۶:)

درج بالا شعر میں شمشیر اور شیر دو رکن جناس ہیں۔ ایک رکن کے شروع میں دو حروف زائد ہیں۔ جو کہ تجنیس زائد مذیل کی مثال ہے۔

۷۔ **تجنیس قلب** : اس سے مراد کلام یا نثر میں ایسے دو رکن تجنیس یا جناس لانا، جن میں سے ایک کے حروف کی ترتیب بدلیں تو دوسرا، رکن بنتا ہے۔ یہ تبدیلی تین طرح ہوتی ہے : پہلی تجنیس قلب مستوفی، دوسری تجنیس قلب بعض اور تیسری تجنیس قلب کل کہلاتی ہے۔ اس کی تفصیل درج ذیل ہے۔

ا۔ **تجنیس قلب مستوی**: تجنیس قلب کی ایسی قسم ہے جس میں ارکان کے حروف کی تبدیلی ترتیب میں نہ ہو۔ اسے قلب مشوش اور قلب نامرتب بھی کہتے ہیں (تفہیمی، فرہنگ اصطلاحات علوم ادبی، ص ۳۲۸:)۔ مثلاً:

زین چنین قحطِ سه ساله داد، داد! ظلِ مولانا ابَد باینده باد!

(نیکلسون، دفتر دوّم، ص ۲۸۱:)

اس شعر میں دو رکن جناس کے حروف اور اعراب ایک جیسے ہیں۔ یعنی ان کے حروف، ادھر ادھر کرنے سے لفظ ادل بدل ہو جاتے ہیں۔ یعنی وہ تبدیلی ترتیب سے نہیں ہوتی۔ اس طرح معنی بھی بدل جاتے ہیں۔

گرم باش ای سَرد تا گرمی رسد   با درشتی ساز تا نرمی رسد
(دفتر دوّم، ص ۲۸۴:)

درج بالا شعر میں سرد/رسد کے حروف برابر ہیں صرف آگے پیچھے ہونے سے معنی بدل گئے ہیں۔

ب۔ **تجنیس قلب بعض** : تجنیس قلب کی ایسی قسم ہے جس میں ارکان کی ترتیب بدل جائے لیکن معنی میں فرق نہ پڑے۔

ج۔ **تجنیس قلب کل** : تجنیس قلب کی ایسی قسم ہے جس میں ارکان تجنیس کی ترتیب بالکل الٹ جاتی ہے۔ برق، قرب۔ مثنوی دفتر دوّم سے مثال ملاحظہ فرمائیں!

دَر حقِ او نیک،دَر حق تو بَد   دَر حق او خوب، دَر حق تو رَد
(دفتر دوّم، ص ۱۷۳:)

اس شعر میں دو رکن جناس کے حروف اور اعراب ایک جیسے ہیں۔ یعنی ان کے حروف، ادھر ادھر کرنے سے لفظ ادل بدل ہو جاتے ہیں۔ یعنی وہ تبدیلی ترتیب سے نہیں ہوتی۔

۸۔ **تجنیس لفظ/لفظی**: یہ تجنیس مرکب کی ہی قسم ہے لیکن اس میں ارکان تجنیس بولنے میں ایک سے لگتے ہیں لیکن لکھنے اور معنی کے لحاظ سے مختلف ہوتے ہیں۔ (ہمایی، فنون بلاغت وصناعات ادبی، جلد اوّل، ص ۵۷:) مثلاً:

گفت با دلقک شبی سیّدِ اَجَل   قحبه ای را،خواستی تو از عَجَل
(نیکلسون، دفتر دوّم، ص ۳۷۶:)

درج بالا شعر میں، اَجَل اور عَجَل، بولنے اور ادائیگی میں ایک جیسے ہیں، لیکن لکھنے اور معنی کے لحاظ سے مختلف ہیں۔ پہلے رکن کا مطلب، موت اور دوسرے کا جلدی ہے۔

امتحانِ شیر و کلبم کرد حق   امتحانِ نقد و قلبم کرد حق
(نیکلسون، دفتر دوّم، ص ۳۹۵:)

اس شعر میں کلب اور قلب بولنے میں ایک جیسے جب کہ لکھنے اور معنی کے لحاظ سے مختلف ہیں۔ اس میں رکن اوّل 'کلب' کا مطلب 'کتا' اور رکن دوّم 'قلب' کا مطلب ملمیل ہے۔

قلعۂ سلطان عمارت می کُند لیک دعویِّ امارت می کُند

(دفتر دوّم،ص ۲۴۳:)

درج بالا شعر میں دو رکن جناس بولنے میں ایک سے اور لکھنے میں معنی کے لحاظ سے اختلاف رکھتی ہیں۔

۹۔ تجنیس مرفوء: دو رکن جناس میں سے کوئی ایک رکن کسی دوسرے لفظ کے جز سے مرکب ہو کر پہلے لفظ کا ہم جنس بن جائے تو، اسے تجنیس مرفوء کہتے ہیں۔(ترجمہ سہل حدایق البلاغت،ص ۱۰۸:)مثنوی سے مثال دیکھئے:

درمیانِ جان ترا جامی کنند تا ترا پُر بادہ چون جامی کنند

(دفتر دوّم،ص ۲۴۶:)

درج بالا شعر میں جامی/جامی دو رکن جناس ہیں۔ پہلا جامی دراصل جا یعنی جگہ اور می امدادی فعل ہے۔جب کہ دوسرے جامی سے مراد ایک جام ہے۔اور یہ تجنیس مرفوء کی مثال ہے۔

۱۰۔ تجنیس مرّکب : دو متجانس الفاظ میں ایک مفرد اور دوسرا مرکب ہو تو تجنیس مرکب کہلاتا ہے۔(روحی،اصغر علی،

دبیر عجم،ص ۳۰۵:)اس کی دو اقسام ہیں: مرکب مفروق، مرکب مقرون/متشابہ۔جن کی تفصیل درج ذیل ہے۔

ا۔ تجنیس مرکب مفروق: یہ تجنیس مرکب کی ہی قسم ہے لیکن اس میں ارکان تجنیس بولنے میں ایک سے لگتے ہیں لیکن لکھنے اور معنی کے لحاظ سے مختلف ہوتے ہیں۔(معظمہ اقبالی،شعر وشاعران در ایران اسلامی،کتاب اوّل،ص ۱۶۴:)مثنوی میں سے چند مثالیں دیکھئے:

دور بر آن حکمت شومت زِمن نطقِ تو شوم است بر اهلِ زَمن

(نیکلسون،دفتر دوّم،ص ۴۲۶:)

بالا شعر میں پہلا رکن ز من سے مرکب ہے یعنی از من، جب کہ دوسرا رکن زَمن مفرد ہے مطلب زمانہ ہے۔

ب۔ تجنیس مرکب متشابہ :اگر ارکان تجنیس میں سے ایک رکن مفرد ہو، اور دوسرا مرکب ہو تو تجنیس کی ایسی قسم کو تجنیس مرّکب متشابہ کہتے ہیں۔مثلاً: دونان۔دونان ،ان میں سے ایک کا مطلب گھٹیا اور دوسرے کا مطلب دو روٹیاں ہیں۔مثنوی معنوی دفتر دوّم سے مثال ملاحظہ فرمائیے۔

گرچه سنگم هست مقدارِ نخود　　لیک در هیجا، نه سر ماند، نه خود

(دفتر دوّم،ص ۴۷:)

درج بالا شعر میں نخود اور نخود دونوں، دو رکن جناس ہیں۔ جس میں سے پہلا رکن مفرد ہے یعنی چنا، جب کہ دوسرا نخود، دراصل نہ خود ہے۔ یہاں خود سے مراد جنگی لباس ہے جو سر کی حفاظت کت لئے پہنا جاتا ہے۔ یہاں دونوں تجنیس مرکب متشابہ کی مثال ہے۔

تا که نفریبد شما را، شکلِ من　　نُقلِ من نوشید، پیش از نَقلِ من!

(دفترِ دوّم،ص ۱۲۰:)

اس شعر میں نُقل اور نَقل دو رکن جناس ہیں جن کا زبر، پیش کے فرق سے معنی بدل گیا ہے۔

۱۱۔ تجنیس مزدوج : تجنیس کی وہ قسم ہے جس میں کئی ارکان تجنیس ایک شعر یا مصرعے میں اکٹھے آجائیں۔ مثنوی میں ملاحظہ فرمائیے!

از محبت دار، تختی می شود　　وز محبت بار بختی می شود

(دفترِ دوّم،ص ۱۵۳:)

درج بالا شعر میں، دار، بار دو رکن جناس ہیں یہ تجنیس مطرف کی مثال ہیں، جب کہ تختی اور بختی دو اور رکن جناس ہیں، جو تجنیس خط یا خطی کی مثال ہیں۔ گویا اس ایک شعر میں دو اقسام موجود ہیں۔

گفت: رو! زین حلقه کین دَر باز نیست　　باز گرد! امروز روزِ راز نیست

(دفترِ دوّم،ص ۲۲۹:)

درج بالا شعر میں، رو!/روز، دو رکن جناس زائد، روز/ امروز بھی دو رکن جناس زائد، زین/کین، دو رکن جناس مطرف، باز/راز دو رکن جناس مطرف، باز/ باز دو رکن جناس تام ہیں۔ گویا تجنیس مزدوج کی خوب صورت مثال ہے۔

۱۲۔ تجنیس مطرف: دو ارکان جناس میں، شروع، درمیان یا آخر کا حرف تبدیل ہو تو اسے تجنیس مطرف کہتے ہیں۔

یہ قسم مثنوی میں بہت زیادہ ہے کیونکہ مثنوی ہے، اور قافیہ لانے کی ضرورت کے تحت ایسے کلمات کا استعمال بہ درجہ اتم موجود ہیں۔ مثلاً: اصل: وصل، دور: نور، مستور: دستور۔

چون ز کُوری دُزد دُزدَد **کاله** ای   می کُند آن کُور عمیا **ناله** ای

(دفترِ دوّم،ص۲۲۸:)

درج بالا مثال میں دورکن جناس میں، ایک ایک حرف مختلف ہے۔جوکہ تجنیس مطرف کی مثال ہے۔

باز بانگش کرد سایل **بیا!**   یک سوالم ماند ای شاهِ **کیا**

(نیکلسون،دفتر دوّم،ص۳۸۰:)

درج بالا مثال میں دورکن جناس میں، ایک ایک حرف مختلف ہے۔جوکہ تجنیس مطرف کی مثال ہے۔

۱۳۔ تجنیس ناقص: رتجنیس محرّف: اس مراد تجنیس کی وہ قسم ہے جس میں ارکان تجنیس بالکل ایک جیسے لکھے جاتے ہیں صرف اعراب یعنی زبر، زیر اور پیش کا فرق ہوتا ہے ۔اس فرق سے لفظوں کے معنی بھی مختلف ہوتے ہیں۔ (ہمایی فنون بلاغت وصناعات ادبی،ص۵۰)

گاه نقشِ خویش ویران **می کُند**   از پیِ تنزیه جانان **می کَنَد**

(دفترِ دوّم،ص۲۰:)

اس شعر کے مصرع اوّل میں: می کُند اور می کَند، دورکن جناس ہیں۔جن میں اعراب کے فرق سے معنی تبدیل ہوگئے ہیں۔یعنی می کُند : کرتا ہے اور می کَند :اکھاڑتا ہے۔اس طرح تجنیس ناقص کی مثال ہیں۔

تابشِ خورشید، اُو را **می کُشَد**   رنجِ اُو خورشید هرگز کی **کَشَد**

(دفترِ دوّم،ص۸۵:)

اس شعر کے پہلے اور دوسرے مصرعوں کے آخر پر کُشَد یعنی وہ مارڈالے، اور کَشَد یعنی برداشت کرے کے لئے استعمال ہوا ہے۔ یہ دونوں ہم جنس الفاظ ہیں جو صرف اعراب کے فرق سے مختلف المعنی ہو گئے ہیں ۔اور تجنیس ناقص کی مثال میں شامل ہیں۔

هر کرا، دندانِ صدقی **رُسته** شد   از دروغ و از خباثت **رَسته** شد

(دفتر دوّم،ص۳۴۱:)

اس شعر کے پہلے مصرع میں رُستہ، اُگے کے معنی میں اور دوسرے مصرعے میں رَستہ، چھٹکارا پانے کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔دورکن جناس میں صرف اعراب کے فرق سے مطلب میں تبدیلی آئی ہے یہی تجنیس ناقص ہے۔

تُخم ها می کاشت تا روزِ **اَجَل** تا بُوَد روزِ **اَجَل** میر **اجل**ّ

(دفترِ دوّم،ص ۵۰:)

مثال بالا میں اَجَل اور اَجَلّ میں صرف تشدید کا فرق ہے اس سے مطلب موت یا مدت سے بڑے / طاقتور میں بدل گیا ہے۔

پائ تو در گِل، مرا گِل گشته گُل مر ترا ماتم مرا، سور و دهل

(دفتر دوّم،ص ۳۳۳:)

۱۴۔ **تجنیس مکرر**: کلام میں دو متجانس الفاظ کو بلا فاصلہ لانے کو تجنیس مکرر کہتے ہیں ۔اس قسم کو تجنیس مزدوج،مردد اور تجنیس مکرر متشابہ بھی کہتے ہیں۔(تفہیمی،فرہنگ اصطلاحات علوم ادبی،ص ۱۰۵:) مثلاً:

ناریان مر ناریان را، جاذب اند نوریان مر نوریان را، طالب اند

درج بالا شعر جلی کلمات دو رکن جناس ہیں اور وہ بلا فاصلہ آئے ہیں جو کہ تجنیس مکرر کی مثال ہے۔

اندک اندک می ستاند آن جمال **اندک اندک** خشک می گردد نهال

(نیکلسون،دفتر دوّم،ص ۲۸۶:)

گِل مخور! **گِل** را مَخر! **گِل** را مجو! زانکه **گِل** خوارست دائم زرد رو!

(دفترِ دوّم،ص ۲۳۴:)

درج بالا اشعار میں کلمات کی تکرار سے تاکید پیدا ہوتی ہے۔

المختصر مثنوی معنوی مولوی ،جہاں انسانی اخلاق سنوارتی اور کردارسازی کرتی ہے وہاں اپنا پیغام فصیح و بلیغ طریقے سے لوگوں تک پہنچانے کے لئے ،مثنوی اپنے اندر کئی طرح کی صنعتیں جن میں صنعت تجنیس غالب ہے؛ سموئے ہوئے ہے۔اسی لئے قاری پیغام سنتا اور سر دھنتا ہے۔

مآخذ ومنابع

- تفہیمی،ساجداللہ،ڈاکٹر،فرہنگ اصطلاحات علوم ادبی،مرکز تحقیقات ایران و پاکستان،اسلام آباد،۱۹۹۶ء
- روحی،اصغرعلی،دبیرعجم،مطبوعہ رزّاقی مشین پریس،حیدرآباد دکن،۱۹۴۶ء
- رومی،جلال الدّین،مثنوی معنوی،جلد ا،رینولد الّین نیکلسون،مؤسسہ مطبوعاتی علی اکبر،تہران،سال ندارد
- رومی،جلال الدّین،مثنوی معنوی،مترجم،سجادحسین،قاضی،دفتراوّل و دوّم،الفیصل،لاہور،۱۹۷۴ء
- شرف الدین حسن بن محمد رامی تبریزی،حقایق الحدایق،بہ تصحیح،سیدمحمد کاظم امام،چاپخانہ دانشگاہ،طہران،۱۳۴۱ھ۔ش
- شمیسا،سیروس،دکتر،نگاہی تازہ بہ بدیع،نشرمیترا،تہران،۱۸۸۳ھ۔ش
- عابد،عابدعلی،سیّد،البدیع،سنگ میل پبلی کیشنز،لاہور،۲۰۰۱ء
- فقیر،شمس الدین،حدایق البلاغۃ،مطبع منشی نول کشور،کانپور،۱۸۸۷ء
- کیا،زہرای خانلری،دکتر،فرہنگ ادبیات فارسی،انتشارات بنیاد فرہنگ ایران،۱۳۴۸ھ۔ش
- معظمہ اقبالی(اعظم)،شعروشاعراندرایران اسلامی،دفترنشرفرہنگ اسلامی،ایران،۱۳۶۶ھ۔ش
- نثاری،چہارگلزار،بہ اہتمام محمدعبدالرحمن بن حاجی محمدروشن،مطبع،نظامی،کانپور،ہندوستان،۱۲۸۸ھ۔ق
- وحیدیان کامیار،تقی،دکتر،بدیع از دیدگاہ زیبایی شناسی،سازمان مطالعہ وتدوین کتب علوم اسلامی دانشگاہ ھا،تہران،۱۸۸۷ھ۔ش
- وطواط،رشیدالدّین،حدایق السحرفی دقایق الشعر،بہ تصحیح عباس اقبال آشتیانی،انتشارات کتبخانہ سنائی،کتبخانہ طہوری،۱۳۶۲ھ۔ش
- ہمایی،جلال الدین،استاد،فنون بلاغت وصناعات ادبی،جلداوّل،چاپ سوّم،انتشارات توس،تہران،۱۳۶۴ھ۔ش

فرہنگ ولغات

- حسن اللغات،(فارسی۔اردو)اورینٹل بک سوسائیٹی،لاہور،سال ندارد
- فرہنگ عمید،(فارسی)حسن عمید،کتابخانہ ابن سینا،تہران،۱۳۳۷ھ۔ش
- فرہنگ فارسی،(فارسی)

***

مفتیِ اعظم قسطنطنیہ، علامہ شیخ سلیمان حنفی بلخی قندوزی نقشبندی

* ڈاکٹر مخدوم پیر سید علی عباس شاہ

The traces of moral values of Urdu Dastan in Iqbal's poetry

Dr. Samina Saif

An acolyte of Hanafi jurisprudence Sheykh Sulayman Hanafi Qunduzi was a compatriot of Naqshbandi school of thought. Savants & highbrows acclaim his illustrious eminence and sterling magnificence. 32nd Ottoman imperator Sultan Abdul Aziz Khan invited him to Islambol and cherished his nobility as a state partisan. Constantinople's proverbial sanctuary of Khwaja Murad Bukhari was celebrated as 'Syed e Balakhi ka Astana' because of the charismatic nobilia, inceptive provenance and dynamic transcendence of Sheykh Qunduzi, his son A'bdul Qadir Balkhi and grandson Ahmad Mukhtar Afandi. Sheykh Sulayman Hanafi Qunduzi illuminated the Darul Hadees at Takkiya Murad Bukhari for a decade. Light of his thoughts affected his contemporaries who used to visit and seek his consecration and blessings. Sheykh Qunduzi preached Islamic teachings, social reforms, welfare, felicity, mirth and focused upon revival & renaissance of cultural heritage, which was adopted and flourished by his scion. He and his family are a heliograph of Islamic traditions in Constantinople and Ottoman's classics.

* سجادہ نشین آستانہ عالیہ، کندھانوالہ شریف، ضلع منڈی بہاء الدین

Key words: Qunduzi, Sheykhul Islam, Suleyman, Islambol, Balkhi, A'bdul Qadir, Ahmad Mukhtar Afandi.

شیخ سلیمان حنفی نقشبندی افغانستان کے علاقہ بلخ کے قصبہ قندوز میں خانقاہ کے مقام پر ۱۲۲۰ھ / ۱۸۰۵ء میں پیدا ہوئے۔آپ کا اسمِ گرامی شیخ سلیمان بلخی قندوزی خانقاہی بن شیخ ابراہیم خواجہ کلاں بن شیخ محمد بابا حاجی خواجہ حسینی بلخی بن ابراہیم بن محمد معروف بن شیخ ترسون آلباقی بن غلام الدین بن ناصر الدین بن جمال الدین بن برہان الدین قلیچ (نانا کے وصال کے بعد اوزقند،ازبکستان کے صوبہ فرغانہ کا پرانا نام، کے حکمران ہوئے۔عوام میں مقبولیت کے باعث جاہ وحشم سے حکومت کی۔ظاہری حکمرانی کے ساتھ ساتھ روحانیت میں بھی عالی مرتبت صاحبِ کرامات تھے۔ممتاز صوفی ابوالقاسم گرگانی م ۴۵۰ھ اور حاجی یوسف ہمدانی ۵۳۵ھ نے آپ سے ملاقات کی۔قدوۃ العارفین سید برہان الدین قلیچ کے دو صاحبزادے سید میر دیوان اور سید جمال الدین ہوئے۔سید جمال الدین کی اولاد قندوز جبکہ میر دیوان کی نسل بخارا میں پروان چڑھی جنہیں اہلِ علاقہ نے مذہبی و روحانی پیشوا،سماجی فرمانروا تسلیم کیا۔ ۴۹۰ھ/ ۱۰۹۶ء اوزقند میں وفات پائی اور وہیں دفن ہوئے۔) بن کمال الدین (تبلیغِ دین کے لیے عرب سے ترکستان آئے اور اوزقند کے قراخانی حاکم اُلغ خان نصر م ۱۰۱۲ء، خلف الرشید علی ارسلان خان آل اِفراسیاب کی صاحبزادی سے عقد کیا جس سے آپ کے صاحبزادے برہان الدین قلیچ [شاہِ ذوالفقار کی مناسبت سے ترکستان میں آباد ہونے والی آپ کی اولاد میں بعض مشائخ نے نام کے ساتھ قلیچ بمعنی تلوار استعمال کیا جو اس دور میں بھی مستعمل ہے۔] متولد ہوئے۔آپ اپنی زوجہ اور صاحبزادے کے ہمراہ مدینہ واپس تشریف لائے اور وہیں انتقال فرمایا۔آپ کے انتقال کے بعد آپ کے صاحبزادے والدہ کے ہمراہ اوزقند واپس آگئے اور وہیں پروان چڑھے۔) بن جلال الدین بن شاہ حسن بن شاہ حسین بن سید محمد بن سید احمد بن سید عبد اللہ بن سید عبید اللہ افضل بن عبید اللہ بن سید طالب بن سید احمد عریق بن سید احمد بن سید موسیٰ مبرقع (م ۲۹۶ھ / ۹۰۷ء مدفون قم) بن سیدنا امام محمد تقی۔

آپ کا گھرانہ کئی نسلوں سے علاقے میں معزز تھا۔بلخ بدخشاں سے مبادیات کے بعد آپ نے بخارا سے سندِ فضیلت حاصل کی۔استعمار کے خلاف افغانی جدوجہد کے باعث برطانیہ نے پسپائی اختیار کی تو افغانستان خانہ جنگی کا شکار ہوا۔غیر مستحکم صورتحال میں شیخ سلیمان اپنی تین ازواج (’سعیدہ‘ م ۱۸۹۳ء/ ۱۳۱۱ھ،’ایقوز‘ م ۱۸۶۷ء/ ۱۲۸۴ھ،

'ایقان') کے ہمراہ ۱۲۶۹ھ / ۱۸۵۳ء میں عازم حج ہوئے۔ قندوز، بدخشاں اور متصل علاقوں میں قیام پذیر تاجک اور ازبک عقیدت مندوں کی بڑی تعداد (مغل قتغان قبائل آپ کے موروثی عقیدت مند تھے۔) اور اپنے خانوادے کے بارہ افراد کے ہمراہ ۱۸۶۱ء میں اسلامبول پہنچے۔ آپ کے چار فرزند سید عبدالقادر، احمد سعید، محمد بہاء الدین الحق، محمد برہان الدین اور دو صاحبزادیاں ایقان، خادمہ دردانہ اور دو خادم سبان اور دولت بیگ آپ کے ہمراہ تھے۔ آپ نے اس سفر اور سفر کے رفقاء کی تفصیلات رقم کیں اور اپنے صاحبزادے برہان الدین سے محفوظ رکھنے کو کہا۔ ۱۵۰ صفحات پر مشتمل فارسی میں مرتب کیے گئے ریکارڈ میں بعد ازاں ترکی زبان میں بتدریج اضافہ ہوتا رہا جس میں دورانِ سفر خط و کتابت اور احوال و وقائع بھی شامل ہوئے۔ یہ دستاویز 'دفتر قیودات' قونیہ کی سلجوق یونیورسٹی میں محفوظ ہے جس میں پچاس مقامات پر آپ کے قیام، دو سو بیالیس اکابر سے ملاقات کے ساتھ ساتھ تین سو جانباز رفیق مذکور ہیں۔ آپ مشہد میں امام رضا، نجف میں امام علی، کربلائے معلی میں امام حسین اور ائمہ اہل بیت کی زیارت سے شرفیاب ہوئے۔

> ترک وطن کے سلسلے میں آپ ایک خواب کا ذکر کرتے ہیں جس میں آپ نے امام عالی مقام امام حسین کے جمالِ جہانتاب، جہاں آرا رخ روشن کی زیارت کی۔ حضرت نے انھیں خدمت پہ مامور کیا اور اَنطالیہ کی طرف جانے کا حکم دیا۔ آپ نے خود کو ایک قافلے میں مشرق سے مغرب کی طرف جاتے دیکھا۔ اس خواب کو آپ نے ہجرت کا حکم سمجھا اور ترک وطن پہ آمادہ ہوئے۔ اس فرحت انگیز خواب کے بعد آپ ایک لحظہ بھی خدمتِ دین اور معارف حقہ کے فروغ سے فروگذاشت نہ ہوئے۔

بغداد قیام کے دوران آپ کو عثمانیوں کی روس کے ساتھ (۱۸۵۲ تا ۱۸۵۶ء) ہونے والی جنگ کے خاتمے کی خبر ملی تو آپ وہاں سے اَنطالیہ اور پھر ۱۲۷۴ھ / ۱۸۵۷ء میں قونیہ پہنچ کر چار سال قیام کے بعد بُرصہ سے ہوتے ہوئے سلطان عبدالعزیز خان کی دعوت پر ۱۲۷۸ھ/ ۱۸۶۱ء میں اسلامبول پہنچے۔ آپ نے اپنے وفد اور خدم وحشم کے ہمراہ دو سال تک سرکاری مہمان خانے میں قیام کیا۔ اس دوران آپ نے تین کاتب مطلوبہ کتب کے اقتباسات نقل کرنے پر مامور کیے۔ آپ حنفی فقہ کے پیرو اور مشربِ نقشبند سے وابستہ تھے۔ علمائے اعلام آپ کی عظمت و بزرگی کے معترف ہیں۔ علم وفضل، ریاضت، تبلیغ دین، تعلیم وتربیت اور تصنیف وتالیف کے حوالے سے غیر معمولی شخصیت، عزم وہمت کے پیکر، جہدِ مسلسل کے عادی تھے۔ زندگی کے آخری ایام تک سعی ومحنت کا سلسلہ جاری رہا۔ شیخ سلیمان نے عمر عزیز کا طویل حصہ بلادِ اسلامیہ کی سیاحت میں صرف کیا جس میں آپ ہندوستان اور افغانستان بھی پہنچے اور لوگوں کو اپنے

علم وفضل سے سیراب کیا۔صوفیاء اور اہل طریقت سے مصاحبت مرغوب تھی۔ ۱۲۵۹ء، ۱۸۴۳ء میں ہندوستان تشریف لائے اور تین سال دہلی میں قیام فرمایا۔اس دوران آپ نے ہندوستانی ثقافت اور مابعد طبیعات کا مشاہدہ کیا۔اس کے بعد اپنے وطن آئے اور عوام کی تعلیم وتربیت کے فروغ میں کوشاں رہے۔وہاں آپ نے جامع مسجد اور خانقاہ تعمیر کرائی ۔طویل عرصہ وطن عزیز میں ذمہ داریاں ادا کر کے آپ نے پھر سفر کا ارادہ کیا اور اپنے بھتیجے 'محمد صلاح' کو خلیفہ مقرر کر کے تصوف وطریقت کی خدمات ان کے سپرد کیں ۔تعلیم وتدریس کی ذمہ داری 'ملا محمد عوض' کے سپرد کی ۔اس کے بعد آپ وطن سے نکلے ۔آپ کے اثرات اور عقیدت نے عوام کو مسحور کرلیا۔جہاں جاتے ان کے حلقہ بگوش ساتھ رہتے ۔اس سفر میں آپ کے ساتھ تین سو ارادتمند تھے۔آپ اپنے تمام ساتھیوں کے ساتھ روم (ترکی) پہنچے اور دو سال قیام فرما کر بغداد تشریف لائے ۔اس دوران آپ کی شہرت دور دراز علاقوں میں پھیل چکی تھی اور آپ کے علم وفضل اور دلعزیزی سے سب واقف ہو چکے تھے ۔جہاں جاتے عوام کا جم غفیر استقبال کو موجود ہوتا۔حکمران چشم براہ رہتے ،سرآنکھوں پہ بٹھاتے ۔بغداد میں آپ کا پرتپاک خیر مقدم ہوا اور آپ کے قیام سے خاطر خواہ استفادہ کیا گیا۔آپ نے اہل بغداد کو علم وفضل سے سیراب فرماتے علم وعرفان کے گلستاں آباد کر دیے ۔بغداد قیام کے کچھ عرصہ بعد ایران تشریف لائے اور فضل وشرف کے جواہر لٹاتے موصل، دیار بکر، حلب کا سفر کرتے قونیہ پہنچے ۔قونیہ اس وقت تصوف کا مرکز تھا۔مقبرہ شیخ صدرالدین قونوی کے کتب خانے میں تصوف کے نوادر تھے ۔صاحب فتوحات مکیہ کے قلمی مخطوطات وہاں محفوظ تھے ۔دوران قیام اہل قونیہ آپ سے علمی فیوض حاصل کرتے رہے۔آپ اس دوران تصوف کے نوادر سے اقتباسات لکھتے رہے ۔تین سال قونیہ میں قیام کے بعد ذی الحجہ ۱۲۷۷ھ میں آپ فارس تشریف لائے ۔عمائد حکومت نے آپ کا شاندار استقبال اور بے حد تکریم کی اور آپ کے لیے سہولیات فراہم کیں ۔اس قیام کے دوران آپ کا حلقہ ارادت وسیع ہوتا گیا۔آپ قرآن وحدیث کی تعلیم، مریدین کی تربیت اور سالکین کی رہنمائی میں وقت گزارتے ۔بلاد اسلامیہ کے حکمران آپ کے ارادتمند ہوتے گئے جن میں علم وادب پرور عثمانی فرمانروا سلطان عبدالعزیز خان (بتیسویں عثمانی بادشاہ؛ ۱۸۳۰تا۱۸۷۶ء) آپ کے دست اقدس پہ بیعت ہوئے ۔آپ کے جملہ مصارف حکومت کے ذمہ تھے ۔تاحیات دو ہزار کوروش کا نذرانہ پیش کیا جاتا رہا۔کاشغر کے جرنیل یعقوب خان بیگ نے ۱۸۷۳ء میں تاشقند فتح کیا تو اپنا سفیر سلطان عبدالعزیز کی خدمت میں روانہ کیا اور شیخ سلیمان حنفی کی دستار کا کلاہ بطور تبرک لینے کی خواستگاری کی ۔شیخ نے زراہ عنایت اپنا کلاہ تحفے میں دے دیا۔

رئیس القرّ اءحافظ فیض اللہ آفندی کے وصال کے بعد شیخ عثمان صلاح الدین نے بارہ زعماء کے ہمراہ آپ سے ملاقات کی اور رہنمائی کی درخواست کرتے تکیہ مرادیہ کی تولیت پیش کی۔آپ نے مہلت طلب کی اور قرآن مجید سے استخارہ کیا۔آپ کے صاحبزادے سید عبدالقادر بلخی نے آپ کو قرآن پاک لا کر دیا۔ استخارے کی نیت سے آپ نے قرآن کھولا تو سورۃ یونس کی آیت نمبر ۲۶ لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا الْحُسْنَىٰ وَزِيَادَةٌ صلے وَلَا يَرْهَقُ وُجُوهَهُمْ قَتَرٌ وَلَا ذِلَّةٌ ج أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ۃ کی تلاوت فرمائی۔استخارہ مثبت آنے پر آپ ۱۸۶۷ء میں خواجہ مراد بخاری کی درگاہ کے بارہویں سجادہ نشین ہوئے اور آپ کو سلطنت میں شیخ الاسلام تسلیم کیا گیا۔آپ کے گہرے اثرات اور انمٹ نقوش کے باعث تکیہ مراد بخاری کو'سید بلخی کی خانقاہ' بھی کہا جاتا ہے ۔آپ کے دور میں ابھرنے والی ثقافتی اقدار میں الفت ، اخوت، یگانگت، ایثار، جانثاری وسرفروشی، ایفائے عہد، حب الوطنی اور اطاعت نمایاں ہیں۔آپ نے اس دوران اسلامی تعلیمات کی تبلیغ ،سماجی بہبود اور فلاحی اقدام پر بھرپور توجہ دی جس باعث قسطنطنیہ میں تصوف کی تاریخ اور مشائخ طریقت میں خورشید خاور ہیں۔

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمَٰنُ وُدًّا : آپ نے دس سال تک خانقاہ کے سجادہ نشین کی حیثیت سے اپنے افکار کے انوار بکھیرے جس کے اثرات نے آپ کے معاصر عمائد کو متاثر کیا اور وہ جوق درجوق آپ کی زیارت اور فیض وبرکت کے حصول کے لیے آپ سے ملاقات کرتے ۔اجل علماء نے آپ سے تفسیر قرآن اور حدیث نبوی کے دروس لیے ۔سلطان عبدالعزیز خان کی سرپرستی اور سرکاری سہولیات کے باعث ترکستان، وراء النھر ،عرب وعجم میں خانقاہی اثرات، سالکین اور درویشوں کی تعداد میں بکثرت اضافہ ہوا جن میں سے بیشتر نے خود کو بلند آہنگ انداز میں منوایا۔عمائد کی اس بڑی تعداد میں منفرد مقام اور الگ پہچان کے ساتھ شیخ سلیمان نہ صرف بذات خود بلکہ ان کے صاحبزادے شیخ عبدالقادر بلخی اور پھر پوتے شیخ احمد مختار آفندی شیخ الاسلام قرار دیے گئے۔

شیخ الاسلام قندوزی اور آیت اللہ تقی طباطبائی میں مکاتبت ۱۲۸۵-۸۶ :ھ کے دوران آیت اللہ محمد تقی طباطبائی اور سید سلیمان حنفی کے درمیان معارف وشعائر دین اور اسلامی کتب کے حوالے سے خط وکتابت ہوئی۔سید سلیمان لکھتے ہیں ؛

الحمدلله وسلامه على رسوله وعلى آله وصحبه !وبعد فهذه رقعة حاوية لفنون الصداقة والخلوص وجامعة لانواع بالتذلل والخلوص و مشحونة من العجز والافتقار ومرسلة

الى مولانا ومرشدنا وقبلتنا وسندنا وسيدنا برهان الاصفياء وبهاء الاءولياء زبدة المصطفين الأخيار و عمدة المشايخ الكبارأدام الله ظله العالي السامي على رؤوس المسلمين ـآمين يارب العالمين ـولله الحمد المنة مقرون بالعافية دخلنا على زاوية الشيخ مراد البخاري الكائن بجوار سلطان ايوب الانصاري رضي الله عنه الباري من غير طلب منا واقتضاء ومن غير خطور في القلب و استدعاء، بمدد عثمان أفندي المولوي أعطانا شيخ الإسلام أفندي بإذن الله وإعطائه حضرة شيخ الإسلام أفندي وبمدد عثمان أفندي ألمولوي وباتفاق المشايخ العظام هم اهل المجلس بل يمحض ظهورات الله وإعطائه وجوده وكرمه ومنته وفضله ولطفه وإحسانه وإنعامه و أفضاله تعالت آلاؤه وتقدست اسماؤه ونتقبل أقدامكم ونتمسك أذيالكم ونرجو منكم الدعاء والإمداد ـألحمد لله وسلامه على رسوله وآله وبعد، يامرشديوسيديوسنديومعتمدي إلى النجاة ودليليإلى الصراط المستقيم والعروة الوثقىٰ والحبل المتين وسفينة النجاة دليلي و مرشدي ومحي قلبي وروحي وفؤادي ومذهب جهلي وضلالتي ومنوّر سرّي وبصيرتي زادكم الله سعادتكم وبركاتكم وإرشادكم ونسأل منكم الدعاء والإمداد وقدوصل إلينا مكتوبكم المبارك وغاية المرام والجلجلوتية فسرنا مسرة عظيمة وفرحنا فرحة كبيرة لأجل وصول المعشوقين والمطلوبين إلى الطالب العاشق وكنا ممنونين من ألطافكم ومكارم أخلاقكم ولكن منتظرون إلى الخطبة التطنجية وأيضاً نسأل منكم ومنهم إرسال تفسير الإمام الحسن العسكري عليه السلام وكتاب الكافي والتهذيب ومن لايحضره الفقيه والإستبصار وكتاب زاد المسافرين لسيد ناصر بن خسرو أعلى الله مقامه وقد وجدنا ديوانه ومصنفات الشيخ أعلى الله مقامهما ونشتريها أي مبلغ كانت قيمتها و أيضا أظهرنا وجوب الموالاة والتبري بستة عشر رجل من المريدين التابعين الذين جاؤوا معي وأيضا كنا عازمين الحج وجاء إلينا شيخ الإسلام وجمع من المشايخ محبي أهل البيت عليهم السلام من غير طلب منا واقتضاء ومن غير خطور في القلب واستدعاء مع انه قريبا

مني۔

ایک اور مکتوب میں فرماتے ہیں؛

بسم الله الرحمن الرحيم - الحمد لله الذي هدانا بوسيلتكم ونجانا بصحبتكم من الضلالة والغواية إلى الرشد والبصيرة والنجاة والصلوات الناميات والتحيات الزاكيات على خير خلق الله محمد صلى الله عليه و آله الهداة المعصومين الطيبين المظلومين خصوصاً على صاحب أسراره وجامع قرآنه وأخيه ووصيه نفدت البحار عن أداء وصفه وفضائله لو كانت مداداً والأشجار أقلاماً وبعد -- فيقول المهتدي بهدايتكم والمستضيئ بضيائكم والمستبصر من بصيرتكم و آخذ الرشد بإرشادكم ونائل الحياة السرمدية بإحيائكم ونائل الدولة الأحمدية الأبدية بدلالتكم والمستغني عن كتب العامة الناصبية بعلومكم والمشتغل بفضائل أهل البيت صلى الله عليهم بمددكم إنه لو مدحت جنابكم ألف ألف سنة وأظهرت نعمكم التي علينا بألف ألف لسان ما أديت شكرها والله تبارك وتعالىٰ يضاعف حسناتكم ويرفع درجاتكم ويزيد بركاتكم وبعد فقد اشتغلت بانتخاب كتاب غاية المرام ليلاً ونهاراً مدة عشرة أشهر وكملتها في غرة المحرم من خمسين جزءاً بمسطر خمسة عشر وعرض المسطر قدر عرض الكف وقبل شغلي في انتخاب هذا الكتاب طالعت شرح الفوايد وشرح العرشية وشرح المشاعر وجوامع الكلم من مصنفات الشيخ أحمد الأحسائيأعلى الله مقامه و رفع قدره في جنته و رضوانه ونفعنا الله من علومه وبركاته وطالعت بعض مصنفات سيدي وسندي السيد كاظم أعلى الله مقامه وجعله الله بحبوحة جنانه ورضوانه واستخرجت وكتبت من هٰذه الكتب مقالات أئمة الهدىٰ عليهم الصلوات والتحيات وفي هذا الوقت أنتظر الكتب الأربعة والتفسير للإمام الحسن العسكري عليه الصلوات والتحيات والخطبة التطنجية والخطبة اليتيمة ودعاء صنمي قريش وما سمعت أحداً صنمي قريش إلى أن وصل إلى كتابكم في

العاشر من المحرم الحرام يوم التعزية و البكاء لعن الله صنمي قريش و من وضع أساس الظلم و من تبعهم و والاهم ونتبرء منهم إلى الله و إلى رسوله وأهل بيت نبيه صلى الله عليهم۔ اللهم اجعلنا من زمرتهم في رجعتهم و في حشرهم كما جعلتنا من ذريتهم و من آلهم بمننتک و فضلک العظيم يا رب العالمين ۔ ثلاثون رجلاً من الناصبية طلبوها بوسايط قوية من الوكلاء فقد علمنا قطعاً و يقيناً أن القائم بالأمر عليه السلام المضئ لنا فدخلناها باسم الله و بركاته في شعبان المبارک والحمد لله وحدة و صلى الله على محمد و آله الطيبين الطاهرين المعصومين المظلومين ۔ وجوب موالاة أهل البيت عليهم السلام و وجوب التبري عن أعدائهم الملاعين بستة عشر رجلاً من المريدين التابعين الذين جاؤوا معي من بلخ فصدقوا فوراً بلا شک ولا ريب و قالوا ألحمد لله الذي هدانا الهدى و الشكر لله كثيراً

درگاہ خواجہ مراد بخاری :ہادیٔ امم سیدنا امام علی النّقی کی ذریت طیبہ کے روشن ستارے خواجہ محمد مراد بخاری ۱۰۵۰ھ/ ۱۶۴۰ء میں سمر قند (قدیم فارسی کے لفظ 'اسمارا- چٹان' اور 'قند- قلعہ' کا مرکب، یعنی چٹان پر موجود قلعہ یا قصبہ) کے معروف مذہبی و علمی گھرانے میں نقیب الأشراف سید علی (بن داؤد بن کمال الدین موسیٰ بن صالح القاضی بن محمد بن عمرو بن شعیب بن ہود من احفاد امام علی نقی ع) حسینی حنفی بخاری نقشبندی کے ہاں پیدا ہوئے ۔ ۱۶۶۳ء میں قرآن مجید حفظ کیا۔ ہندوستان میں خواجہ محمد معصوم (م ۱۷ اگست ۱۶۶۸ء؛ خلف الرشید شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی) سے ملاقات ہوئی اور ایک ہفتے میں نقشبندی مجددی سلسلے کا فیضان حاصل کیا۔ آپ نے مکتوبات شیخ احمد سرہندی و مکتوبات معصوی کے بعض حصوں کا عربی زبان میں ترجمہ کیا اور ان کی تدریس بھی کی جس کے اہل عرب اور ترکستان پر خوشگوار اثرات مرتب ہوئے ۔ شیخ مراد بخاری (الشیخ محمّد مراد بخاری اوزبکیکشمیر ی نقشبندی الشّامی قدس اللہ سرہ السامی) نے ۱۶۶۴ء میں حج بیت اللہ کی سعادت حاصل کر کے حجاز مقدس میں سکونت اختیار کی اور تین سال تک اسلامی کتب کا مطالعہ اور مشائخ سے فیض حاصل کیا۔ ۱۶۶۸ء میں حج بیت اللہ کے بعد قاہرہ میں قیام کیا اور تفسیر قرآن اور حدیث نبوی کا مطالعہ کیا۔ قول معروف کے مطابق انھیں دس ہزار احادیث مبارکہ مع اسناد حفظ تھیں ۔ قاہرہ میں دو سال قیام کے بعد آپ دمشق تشریف لائے اور عقد کیا جس سے دو صاحبزادے محمد بہاء الدین (م ۱۱۶۹ھ/ ۱۷۵۵ء خلیفہ خواجہ زبیر سرہندی) اور

مصطفٰی (خلیفہ خواجہ محمد معصوم، مکتوباتِ معصومیہ میں خواجہ محمد معصوم کا ایک طویل خط شیخ مصطفٰی مراد یکے نام ہے۔) متولد ہوئے۔اسلامی علوم میں تبحر اور شعور کے باعث آپ اہلِ دمشق میں ممتاز ہوئے۔

تصوف پہ گہری نظر، اسلامی اقدار سے وابستگی ،نظریات کے اتباع اور سالکین کی عمدہ تربیت کے باعث آپ کا شہرہ ہوا جس کی وجہ سے انھیں اسلامبول آنے کی دعوت دی گئی جو آپ نے قبول کرتے ہوئے ۱۶۸۱ء میں قسطنطنیہ میں سکونت اختیار کی۔قسطنطنیہ میں نقشبندی سلسلہ طریقت کی اسلامبول میں قائم خواجہ مراد بخاری کی خانقاہ ُتکیہ مرادیہ ٔاہمیت کی حامل ہے جس کے اثرات وراء النہر اور وسطی یورپ تک محیط ہیں۔ آپ کے باعث ترکستان میں نقشبندی سلسلہ طریقت کو فروغ ملا۔اَنطالیہکے رئیس مصطفٰی آفندی (م ۱۶۷۹ء) نے اسلامبول میں دارُالحدیث قائم کیا جسے قازقستان کے شیخ الاسلام کے فیصلے سے نقشبندی خانقاہ کے طور پر خواجہ مراد بخاری کی تولیت میں دے دیا گیا۔آپ علوم ِشریعت اور فیوض ِطریقت میں یکساں دسترس رکھتے تھے جس وجہ سے یہ مقام مدرسے کے طور پہ بھی فعال رہا اور سالکین کی تربیت میں خانقاہ کے طور پر بھی تاریخی اثرات رکھتا ہے۔

خواجہ مراد بخاری کے فیضان سے زعماء وعمائد وابستہ ہوئے جن میں عثمانی سلطان محمد رابع (عہد ِحکومت ۱۶۸۷-۱۶۴۸ء) اور ان کے خلف الرشید سلطان مصطفٰی ثانی (عہد ِحکومت ۱۷۰۳-۱۶۹۵ء) بھی شامل ہیں۔سلطان مصطفٰی ثانی نے دمشق میں خانقاہ کے مصارف کے لیے جاگیر وقف کی۔خواجہ مراد کی بارگاہ سے شرفیاب سالکین طریقت میں نمایاں ہیں۔خانقاہ میں پانچ سال گزارنے کے بعد آپ نے شیخ علی آفندی کو زاویہ دار مقرر کیا اور ۱۶۸۶ء میں دمشق اور وہاں سے تیسری مرتبہ حج کے لیے تشریف لے گئے۔حج سے واپسی پر آپ نے شام میں خانقاہ و مدرسہ قائم کیا۔ ۱۷۰۸ء میں اپنے فرزند مراد اَلمرادی کو نظامت سونپ کر اسلامبول تشریف لے گئے۔آپ کے زہد و تقویٰ،علم اور طرز ِحیات نے عوام وخواص کو متاثر کیا اور معاشرے کے تمام طبقات میں ان کی مقبولیت میں اضافہ ہوا۔

آپ نے قرآنی علوم،تفسیر وتاویل میں جامع مفردات القرآنیۃ اور تصوف کے حوالے سے سلسلۃ الذّہب فی سلوک والاَدب ترتیب دیں۔دو جلدوں پر مشتمل مفردات القرآنیۃ عربی،فارسی اور ترکی زبان میں قرآن مجید کی تفسیر ہے جو علمائے اعلام میں مقبول رہی۔آپ کے آثار عربی اور عثمانی ترکی زبانوں میں ہیں۔مکتوبات ِمرادیہ میں آپ کے لکھے گئے خطوط شامل ہیں۔حرقۃ القادری میں آپ نے قادری

فیضانِ طریقت کے حوالے سے مشاہدات قلمبند کیے ہیں۔ ترک عثمانی زبان میں آپ کی 'مسموعات من سیّد مراد؛ سالکین سے خطابات کا مجموعہ، 'الرّسالۃ فی آداب الطریقۃ النقشبندیہ'؛ مشائخِ نقشبند کے فیضان، اسرار و رموز اور تعلیمات کا مجموعہ 'مناقب و طریقت محمد مراد بخاری'؛ ۱۷۱۴ء میں برصہ قیام کے دوران آپ کے ملفوظات حسین لدیکی نے ترتیب دیے۔ خدمتِ دین کے حوالے سے گہرے اثرات کے بعد آپ ۸۰ سال کی عمر میں ۲۱ ربیع الثانی ۱۱۳۲ھ / ۲۲ فروری ۱۷۲۰ء کو راہیٔ عدم ہوئے۔ جامع ابوایوب خالد بن زید الانصاری میں جنازہ کے بعد خانقاہ مرادیہ میں دفن ہوئے۔

آپ کی اولاد میں سے مفتیٔ شام محمد خلیل مرادی م ۱۷۹۱ء نے اپنی کتاب سلک الدّرر فی اعیان القرن ثانی عشر کی جلد ۴ ص ۱۲۹، ۱۳۰ پر اور قاضی یوسف بن اسماعیل نبہانی م ۱۹۳۱ء نے جامع کرامات اِولیاء ج ۱ صفحہ ۲۷۸ تا ۲۸۰، خَیْرُ الدِّین زِرِکْلی نے الاعلام جلد ۷ ص ۱۹۹ پر آپ کے احوال ترتیب دیے ہیں۔ شیخ مراد بخاری کی اولاد نقشبندی سلسلہ طریقت سے وابستہ رہی اور فروغ کا باعث بنی۔ آپ کے اخلاف اَلمراد کے نام سے معروف ہوئے جن میں شام کے عمائد، مفتیان اور مذہبی رہنما رہے جن کا تذکرہ ڈاکٹر محمد شریف عدنان صواف نے موسوعۃ الاُسر الدِّمَشقیۃ ج ۳ حرف المیم '۳۶۷' میں صفحہ ۴۱۷ تا ۴۲۳ کیا ہے۔

خواجہ مراد بخاری کے بعد ۱۹۲۵ء تک 'خانقاہ تکیہ مرادیہ' میں چودہ تکیہ نشین 'زاویہ دار' ہوئے۔ ۱۔ علی آفندی م ۱۷۳۴ء، ۲۔ علی آفندی م ۱۷۵۵ء، ۳۔ مصطفی آفندی م ۱۷۶۲ء، ۴۔ حافظ محمد آفندی م ۱۷۸۴ء، ۵۔ حاجی محمد آفندی ۱۷۹۳ء، ۶۔ حسن آفندی م ۱۷۹۴ء، ۷۔ محمود آفندی، ۸۔ حسین آفندی م ۱۸۲۱ء، ۹۔ محمد سعدی آفندی م ۱۸۳۳ء، ۱۰۔ محمد اسعد آفندی م ۱۸۴۴ء، ۱۱۔ رئیس القرّاء حافظ فیض اللہ آفندی م ۱۸۶۷ء، ۱۲۔ سید سلیمان بلخی آفندی م ۱۸۷۷ء، ۱۳۔ سید عبدالقادر بلخی آفندی م ۱۹۲۳ء، ۱۴۔ سید احمد مختار آفندی م ۱۹۳۳ء۔

تکیہ مراد بخاری میں محفوظ خطی نوادر : تکیہ مراد بخاری میں ۶۵۲ھ سے لے ۱۲۷۸ھ (۱۲۵۴ تا ۱۶۸۲ء) تک ترتیب دیے گئے مخطوطات و مطبوعات محفوظ کیے گئے۔ عربی زبان میں ۲۵۱، فارسی کے ۳۹، ترکی کے ۱۱۰ اور ان تینوں زبانوں میں ترتیب دیے گئے ۱۲ خطی نسخے اور ۳۶ مطبوعہ کتب کی نگہداشت کے لیے ۷ محرم الحرام ۱۲۱۵ھ میں کتابدار کا تقرر ہوا۔ ترک جمہوریہ کے قیام کے بعد ۱۹۲۵ء میں تکیہ سربمہر کرکے غیر فعال کر دیا گیا اور خانقاہ مقدسہ کے کتب

خانے میں محفوظ نادر و نایاب کتب کے چھ سو نوادر سلیمانیہ کتب خانے میں منتقل کر دیے گئے۔

ہر سطر تیری مطلع اِنوار حسینی؛ شیخ الاسلام سلیمان حنفی کے علمی آثار: شیخ سلیمان آفندی کے علمی آثار میں چار شہرہ آفاق عربی کتب ینابیع المودّۃ، اَجمع الفوائد، مشرق الاَکوان، غِبطۃ ال اِیمانقش دوام رکھتی ہیں۔ اَجمع الفوائد اعجازِ قرآن؛ آیات قِرآن میں اہل بیت کا ذکر، مکتبۃ رواق استنبول نے تین سو صفحات پر مشتمل ترکی زبان میں ترجمہ ۲۰۲۲ء میں شائع کیا۔ دو جلدوں پر مشتمل 'مشرق الاَکوان' سلیمانیہ لائبریری کے مخطوطات میں ۱۳۶۵ نمبر کے تحت محفوظ ہے، 'غِبطۃ ال اِیمان' ۔یہ سب غیر مطبوعہ خطی نسخے سلیمانیہ لائبریری میں محفوظ ہیں؛

ہر سطر تیری مطلع انوار حسینی
عرفان کا مینار، طرحدار حسینی

یَنابیع سیراب اَکوانسے تومَشرَقِ
اور غِبطَۃ اِیمان کا عطّار حسینی

ہر سانس پیۓ حب خِدا تو نے بسر کی
تو سالکِ غفّار، طلب گار حسینی

لاریب رگ وپے میں تیرے عشق نبی ہے
اصحاب محمد کا بھی حبدار حسینی

سرخیل محبانِ علی شاہِ ولایت
بر دشمن دیں برسر پیکار حسینی

سلمان و ابوذر سے لیے درس مودّت
دریوزہ گر جِعفرِ طیّار حسینی

حسنین کی الفت کا دیا سینے میں روشن
شبیر کا غمخوار، عزادار حسینی

قربیٰ کی مودّت سے نوازا شہ دِیں نے
تو کاشف اِسرار، پرستار حسینی

اجداد کے اطوار کا اک نقش مزین
قندہار و بدخشاں کا وضعدار حسینی

قندوز کے سادات کی قندیل دِرخشاں
اشراف کی، احناف کی دستار حسینی

انوارِ طریقت میں ہے فیضان سلاسل
اسرارِ حقیقت میں گہربار حسینی

تاریخ کے اوراق سدا دیں گے سلامی
تو قائد احرار، شہریار حسینی

ہر دور کے عشاق میں پایندہ رہے گا
ہر نسل کے افکار کا معمار حسینی

ورثے میں ملا عشق نبی، تقویٰ تقی کا
عباسؑ اسی شہ کا وفادار حسینی

شہرہَ آفاق کتاب ینابیع المودّۃ: اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَیَجۡعَلُ لَھُمُ الرَّحۡمٰنُ وُدًّا؛ سورۃ مریم کی آیت نمبر ۹۶ میں رحمان وِدود نے اہل اِیمان کو اعمال صِالحہ کی مقبولیت کا مژدہ مودت فی القربیٰ کی عنایات میں دیا ہے

سلوک الی اللہ کی منازل طے کرتے شیخ سلیمان بلخی مودت فی القربیٰ کے نعیم ہو چکے تھے جس کے اثرات سے آپ نے مودتِ اہلِ بیت کے حوالے سے عربی زبان میں عمدہ کتاب ترتیب دی ۔ ۱۲۹۱ھ تک اہلِ سنت کے معتبر مصادر سے خوشہ چینی کر کے آپ نے موضوع سے متعلق مستند احادیث یکجا کیں ۔ آپ تفسیر قرآن اور حدیث نبوی کی کتب بالخصوص صحاح کے مطالعہ میں انہماک رکھتے تھے جس باعث صحاح ستّہ کے علاوہ یہ کتاب مسند اَحمد اِبن حنبل، فرائد السّمطین حمویني، مناقب اَخطب خوارزمي، مناقب اِبن المغازلي، اَلفصول المہمّۃ علی بن اَحمد المالکی، جواہر العقدین سمہودی، مودۃ فی القُربیٰ سیّد علی ہمدانی، اَلصّواعق المحرّقۃ اِبن حجر مکی، الاِستیعاب اِبن عبد البر، اِصابۃ اِبن حجر، مجمع الزوائد سیوطی، جامع الاصول، کتاب الاَوسط طبرانی، مستدرک حاکم، تفسیر ثعلبی، عیون اَخبار الرّضا، نہج البلاغۃ اور متعدد نایاب کتب کی عطر بیز تلخیص ہے ۔ آپ نے اس کتاب کو سو ابواب میں تقسیم کیا۔ یہ کتاب قیامِ قسطنطنیہ کے دوران لکھی گئی اور بروز پیر ۹ رمضان المبارک ۱۲۹۱ھ بوقت صبح مکمل ہوئی ۔ (کتاب مستطاب کی تکمیل کے ۱۵۲ سال بعد رمضان ۱۴۴۳ھ میں آپ کی سوانح کے حوالے سے یہ تحقیقی مضمون ترتیب دیا گیا جبکہ مؤلف کے وصال کو ۱۴۹ سال بیت چکے ہیں ۔ ایڈیٹر) مؤلف کے وصال کے سات سال بعد ۱۳۰۱ھ/ ۱۸۸۳ء میں مطبع الاَختر اسلامبول نے شائع کی اور اس کے ایک سال بعد ۱۳۰۲ھ میں اسلامبول میں فارسی کتب کی اشاعت کے ادارے دارالطّباعۃ اِیرانیۃ نے شائع کی ۔ بعد ازاں لبنان، یمن، ایران، بمبئی میں اس کی اشاعت ہوئی اور فارسی، اردو، انگریزی اور ترکی زبان میں تراجم ہوئے ۔ کتاب کا خطی نسخہ نیویارک کی پرنسٹن یونیورسٹی کے مخطوطات Islamic manuscripts Garret no. 2679Y میں محفوظ ہے ۔

عربی ادب پہ نقد ونظر کے حوالے سے اپریل ۱۸۹۷ء میں قاہرہ میں ترتیب دی گئی 'اِکتفا القنوع بما ھو مطبوع من اَجل التاَ لیف العربیۃ فی المطابع الشرقیۃ والغربیۃ' کے صفحہ نمبر ۴۹۱ پر ممتاز نقاد جناب ایڈورڈ کارنیویلس فنڈیک لکھتے ہیں : لَهُ يَنابِيعُ الْمَوَدَّةُ وَهِيَ شَمائِلُ النَّبِيِّ (صلعم) وآلَ الْبَيْتِ فِيهَا إكْتِبَاسَاتٌ كَثِيْرَةٌ مِنَ الْمُصَنِفَاتِ الْقَدِيْمَةُ وَلِذا لَها فَائِدَةُ كُبرىٰ وَهِيَ مَرْغُوْبَةٌ فِيْ بِلَادِ الْعَجَمْ طَبَعَتْ بِالْقُسْطُنْطِيْنِيَّةْ سَنَةْ ۱۳۰۱ھ'؛ انھوں نے ینابیعُ المودّۃ ترتیب دی جس میں نبی اللہ اور ان کی آل کی سیرت مقدسہ کا تذکرہ ہے ۔ قدیم کتب کے اقتباسات کے باعث انتہائی مفید ہے ۔ ۱۳۰۱ھ میں قسطنطنیہ میں شائع ہوئی اور یہ عجم ممالک میں پسند کی جاتی ہے '۔

بالاختصار کتاب مستطاب معارف اسلام کا شاہکار، بحر ذخار ہے ۔ مردہ دلوں کے لیے پیامِ حیات اور

انسانیت کے لیے رہبر کامل ہے ۔نہ صرف آپ کے عالی مرتبت ، پیر طریقت ہونے کی عکاس ہے بلکہ آپ کے انوار وتجلیات کو قیامت تک محفوظ رکھنے والاانمول خزانہ بھی ہے جس میں آپ کا تقویٰ ،اخلاص ،ایقان ،فضل وشرف ،علم و ادب ،تاریخ وفلسفہ پہ کامل دسترس کے ساتھ عشق محمد وآل محمد ضوفشاں ہے ۔آپ نے معارف حقہ کے وہ ساغر پیش کیے کہ ایک دفعہ دیکھنے سے ہی انسان مدہوش ہوجاتا ہے اور روح اسلام سے شناسا ہو کر منازل ایقان کی جانب گامزن ہوجاتا ہے۔

سجل عظیم للاَحادیث النبویۃ فی مناقب ال إمام علی وأہل البیت علیہم السّلام :

فهو مجموعة ينابيع لا ينبوع واحد، فكم جمع فيه مؤلّفه من أصول المناقب وعيون الفضائل الخاصة بأهل البيت الّذين أذهب اللهّٰ عنهم الرجس وطهّرهم تطهيراً، مستنداً في تخريجها إلى الكتب المعتمد عليها والمصادر الموثوق بها كالصّحاح الستة الّتي لا خلاف في صحتها أو إعتبارها بين أهل السنّة والجماعة من المسلمين، أو غير الصحاح ممّا لا يمكن القدح والتعريض فيه، لمعاضدة تلك النقول بمحكمات الآيات وصحاح الروايات، وليس لانكارها سبيل لأحد من المسلمين الّذين يشعرون بمودّة القربى إمتثالا لقوله :قُلْ لا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْراً إلاّ المَوَدَّةَ فِي القُرْبَى وَمَنْ يَقْتَرِفْ حَسَنَةً نَزِدْ لَهُ فِيهَا؛ واقتراف الحسنة مودّتهم كما في بعض التفاسير، وقد ذكر في كتابه هذا فلاحظ. فلا شكّ انّ من كان مؤمناً بالله واليوم الآخر ويصدّق النبيّ فيما جاء به من عند ربّه يودّ قرابة النبيّ ومودّتهم أجر الرّسالة. وقد استعرض المؤلّف في كتابه هذا فضائل النبيّ، فرتبه على مقدّمة وأبواب أنهاها إلى مائة باب فاستعرض في المقدّمة ان التصلية والتسليم على الآل والأصحاب ثابت فيكتاب اللهّٰ تعالى، وقول رسول اللهّٰ وقول الأصحاب الكرام. ثمّ ذكر في الأبواب ١ إلى ٥ سبق نور النبيّ وشرف آبائه ودوام الدّنيا بدوام أهل بيته، وأحاديث سفينة نوح، وحطّة بني إسرائيل، وحديث الثّقلين، وحديث الغدير. ثمّ خصّ أمير المؤمنين ع من الباب السّادس إلى الباب العشرين، وذكر في الأبواب ٢١ و ٢٩ الآيات النّازلة في شأن أهل البيت أو الدّالة على فضلهم مع ذكر تفسيرها من كتب الحفّاظ والمفسّرين. وعاد في

الباب الأربعين إلى الباب الواحد والخمسين إلى ذكر فضائل أمير المؤمنين وما صحّ من مناقبه الّتي خصّ بها. وفي الباب الثاني والخمسين أورد رسالة الجاحظ في تفضيل بني هاشم على غيرهم. أمّا الباب الثالث والخمسين فقد استعرض فيه قصّة الدير فيصفّين وبعض خطب الإمام ووصيّته عند وفاته. وخصّص الباب الرّابع والخمسين بفضائل السّبطين، كما خصّ الخامس والخمسين بفضائل جدتهما خديجة وأُمّهما سيّدة النساء فاطمة، وذكر تزويجها بالإمام. وفي الباب السادس والخمسين ذكر ميلاد الإمام ثمّ استعرض ما ورد من الحديث النبوي في فضائل أهل البيت عامة، أو في أفرادهم خاصة في الكتب التّالية :كنوز الدقائق لعبد الرّؤف المناوي، الجامع الصغير للسيوطي، ذخائر العقبىٰ للمحب الطبرى، فذكره ثمّ أورد تمام الكتب التالية :ألمناقب السبعين ومودّة القربىٰ لمير سيّد علي الهمداني. الأحاديث الأربعين المنسوبة للإمام الرّضا، وبعد ذلك ذكر ما ورد فيكتاب مشارب الأذواق من مناقب علي وكلماته الدّالة على وجوب محبته خالصاً من غير أن يدخل في قلب محبه حبّ أعدائه ...الخ. وفي الباب ٥٧ و ٥٨ ذكر بعض فضائل أهل البيت وأورد بعض ما في جواهر العقدين للسمهودي. وفي الباب التاسع والخمسين أورد ما في كتاب الصّواعق المحرّقة من فضائل أهل البيت. واستعرض في الباب ٦٠ الأحاديث الواردة في شهادة الحسين ع. وخص الباب ٦١ بإيراد بعض ما في كتاب مقتل أبي مخنف في شهادة الحسين وأصحابه. وفي الباب ٦٢ أورد مدائح الشافعي في أهل البيت، وتفسير بعض الآيات والأحاديث الواردة في ثواب البكاء على الحسين .أمّا الأبواب ٦٣-٧٣ فقد خص كلّ باب لذكر ما ورد في بعض الكتب وهي حسب الترتيب :الصّواعق المحرّقة، فصل الخطاب، جواهر العقدين، درّة المعارف، العقد المنظم، الدّر المكنون، المطالب العلية، كتاب المحجة، مشكاة المصابيح، جواهر العقدين. وذكر في الرابع والسبعين ما ورد من كلام أمير المؤمنين في نهج البلاغة في شأن المهدي. وفي الباب الخامس والسبعين ذكر ما يصيب أهل البيت حتّى يظهر قائمهم.

واستعرض في الباب ٧٧، ٧٦ بيان الأئمّة الاثنى عشر بأسمائهم وتحقيق حديث بعدي إثنىٰ عشر خليفة. أمّا الباب ٧٨ فقد خصّه لايرادما في كتاب فرائد السمطين، والبيان في شأن المهدي .وذكر في الباب ٧٩ ولادة المهدي، ثمّ استعرض زايجة ولادته مع زايجة ولادة عيسى . وفي الباب الثمانين إلى الباب التاسع والثمانين كلّها فيما يخصّ المهدي أفرد كلّ باب لذكر ناحية من شأنه . و أورد في الباب التسعين خطبة الإمام الحسن بعد شهادة أبيه. وفي الباب الحادى والتسعين إستعرض تفسير بعض الآيات وبعض كلمات الإمام أمير المؤمنين في الإمامة. وذكر في الباب الثاني والتسعين عزم المأمون على مبايعة الإمام الرضا وما جرى له، وجوابه لبني العبّاس في ذلک. وفي الباب الثالث والتسعين ذكر حديث النبيّ في فضله وفضل أهل بيته وما رآه من أنوارهم عند المعراج، وعاد في الرّابع والتسعين إلى ما ورد في شأن المهدي. وفي الباب الخامس والتسعين فسر بعض الآيات الدّالة على فضل أهل البيت . وفي الباب السادس والتسعين ذكر خبر الراهب الّذي أخبر المسلمين وهم مع الإمام علي في طريقهم إلى صفّين بما عليه من كتبه في فضل النبيّ وعليّ والمهدي وبشارة عيسىٰ بهم. وجعل الباب السابع والتسعين خاصاً بكلام الإمام في شأن الحديث الصحيح وهو من نهج البلاغة. واستعرض في الباب الثامن والتسعين بعض أدعية الصحيفة الكاملة السجّادية الّتي تدعى زبور آل محمّد. وفي الباب التاسع والتسعين استعرض بعض خطب الإمام وبعض وصاياه الحكمية. وختم الكتاب بالباب المائة وهو في فضائل الأئمة.

عالمِ اِسلام کے یہ روشن چراغ، حیات دِنیا کے ۷۴ سال ضوفشاں رہ کر بروز جمعرات ۶ شعبان مِعظم ۱۲۹۴ھ ،۱۶ اگست ۱۸۷۷ء میں واصل بحق ہوئے اور دارُالعالیۃ اسلامبول، ترکی میں خواجہ مراد بخاری نقشبندی کی درگاہ کے احاطے میں دفن کیے گئے۔

شیخ الاِسلام عبدالقادر بلخی : شیخ سلیمان بلخی کے مایہ ناز فرزند ۱۸۳۹ء میں آبائی گاؤں خانقاہ قندوز میں پیدا ہوئے۔ ابو حامد ولی کے خلف الرشید مصطفٰی مسلم پناہی نے آپ کا سن ولادت ُسِرّ علیؑ' اور ُمظہرِ علیؑ' قرار دیا ہے۔ ابتدائی تعلیم

بدخشاں سے حاصل کی ۔والد کے ہمراہ وراء النہر سے ہوتے ہوئے ایران،عراق اور پھر قسطنطنیہ تشریف لائے ۔ ۱۲۵۹ھ/ ۱۸۴۳ء میں چار سال کی عمر میں والد سے بیعت ہوئے اور طریقت کا فیضان حاصل کیا۔ ۳۹سال کی عمر میں تھے کہ والد کا انتقال ہوگیا۔ والد کے بعد آپ ۱۲۹۴ھ (۱۸۷۷ء) میں شیخ مراد بخاری کی درگاہ کے متولی اور عثمانیوں کے شیخ الاسلام ہوئے ۔شب ِوصال آپ نے فرمایا؛

ای دل که برو خوش باش،امشب چوشب قدر است		با یار تو می باشی، ایامِ وصال آمد

امروز بهار آمد ایام ِوصال آمد		امشب که شب ِ قدرست ایام ِوصال آمد

پھر آپ نے اپنے خلیفہ حافظ کمال آفندی سے قرآن ِکریم سورۃطٰہٰ کی تلاوت کرنے کو کہا۔ وہ اَللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ لَہُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی تک پہنچے تو سید عبدالقادر بارگاہ ِرب العزت میں حاضر ہو چکے تھے ۔چھیالیس سال تک احکام ِشریعت میں شیخ الاسلام اور اسرار ِطریقت میں قطب کے فرائض سر انجام دینے کے بعد ۲۹رجب ۱۳۴۱ھ/ ۱۷مارچ ۱۹۲۳ء کو عدم کی وسعتوں میں غروب ہو گئے ۔مسلم پناہی نے آپ کا سن ِوصال 'غفرانی' قرار دیا ہے۔ جامع مسجد ایوب سلطان، سیدنا ابو ایوب انصاری کی بارگاہ میں آپ کے صاحبزادے سید احمد مختار آفندی نے نماز جنازہ پڑھائی۔

اسلامبول میں خلوتیہ جرّاہی سلسلہ طریقت کے اٹھارویں شیخ فخرالدین آفندی نے خواب میں دیکھا کہ وہ سید عبدالقادر آفندی کی نماز ِجنازہ ادا کر رہے ہیں اور اس دوران یہ شعر فضا میں گونج رہا ہے؛ 'صحیح النسب حسینی المشرب، اُستاد کامل می شناسم کہ در صفوفِ اَہل اللّٰہ اَست' صبح آپ نماز جنازہ میں شرکت کے لیے حاضر ہوئے ۔(شیخ فخرالدین آفندی (۸ستمبر ۱۸۸۵تا ۱۶نومبر ۱۹۶۶ء) تیرہ سال کی عمر میں سلسلہ کے شیخ ہوئے اور آخر دم تک ذمہ داری نبھائی ۔آپ کے انتقال کے بعد وصیت کے مطابق آپ کی آنکھوں پر خاک ِکربلا رکھی گئی تو حاضرین نے دیکھا کہ ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے ۔) صبح نو بجے نماز ِجنازہ کے بعد شیخ عبدالقادر بلخی علیہ الرحمہ کو اپنے جلیل القدر والد کے پہلو میں دفن کیا گیا۔کمال آفندی نے آپ کے ارتحال کے موقع پر کہا؛ 'جاء الائمّۃ الاثنیٰ عشر وشھدوا،مع ضوء وقال اللّٰہ تعالیٰ اِلیٰ رحمۃ اللہ؛ آپ کے جنازے پر بارہ اماموں کی تجلیات ضیاپاش تھیں جن کی نورانیت میں رحمت ِباری تعالیٰ نے انھیں سمیٹ لیا۔' آپ صورت وسیرت میں یکتا،میانہ قامت،سیرت النبیؐ کے تابع،اخلاق محمدیؐ سے سرشار،شعائر اسلام کے پاسدار تھے ۔ہر شب ِجمعہ خانقاہ ِمقدسہ میں ذکر وفکر کی محفل میں سالکین

وعاشقانِ خدا سے ارشاد فرماتے جس میں علم وحکمت کے چراغ روشن ہوتے تھے۔قسطنطنیہ کے سلاسل طریقت میں مشائخ نے آپ کو قطب تسلیم کیا۔ قُطْبٍ ....وَهُوَ فِي إِصْطِلَاحِهِمْ أَلْخَلِيْفَةُ الْبَاطِنُ وَهُوَ سَيِّدُ أَهْلِ زَمَانِهِ، سُمِّيَ قُطْبًا لِجَمْعِهِ لِجَمِيْعِ الْمَقَامَاتِ وَالْأَحْوَالِ وَدَوْرَانِهَا عَلَيْهِ، مَأْخُوْذٌ مِنْ قُطْبِ الرَّحى الْحَدِيْدَةِ الَّتِيْ تَدُوْرُ عَلَيْهَا ...... أَلْقُطْبُ فِيْ إِصْطَلَاحِ الْقَوْمِ أَكْمَلُ إِنْسَانٍ مُتَمَكِّنٌ فِيْ مَقَامِ الْفَرْدِيَةِ تَدُوْرُ عَلَيْهِ أَحْوَالُ الْخَلْقِ۔عربی، فارسی، چغتائی ترکی اور عثمانی ترکی پر کامل دسترس رکھنے کے باعث آپ کی کتب علم وعرفان کے وجدانی ایقان سے معمور، انمول جواہر ہیں جنہیں آپ طریقت کا فیضان قرار دیتے ہیں۔'قادرِ حکمت'، 'قندوزی' 'خانقاہی' کے قلمی نام سینابیع الحکم، کنوز العارفین، گلشن ِ اسرار، شمس رِخشان، شموس ِاسرار، اسرارِ توحید کے زیرِ عنوان علم وعرفان کا خزینہ سپردِ قرطاس کیا جس میں وحدت الوجود کا جام چھلکتا ہے۔

آپ کے صوفیانہ مشرب کی عکاس مثنوی 'ینابیع الحکم' ۶۴۴ صفحات میں ۱۲۰۱۷ ابیات پر مشتمل ہے جو ۱۹۰۲ء میں مکمل ہوئی؛ 'سر اسرارِ خدا خواہی ز رب، رو تو از بابِ مدینہ کن طلب'۔ ۲۷ ذی قعد ۱۳۲۲ھ/ ۲ فروری ۱۹۰۵ء میں لکھی گئی مثنوی 'کنوز العارفین' فارسی زبان میں پانچ ہزار چار سو ترپن اشعار پر مشتمل مثنوی ہے جس میں آپ نے منازلِ سلوک اور سالک کے مراتب پر روشنی ڈالی ہے؛

کنوز العارفین شد طورِ دیگر	ز یک بحرِ حقیقت موجِ دیگر
ازین امواج شد أسرار پیدا	ز هر یک موج شد معنی هویدا

فارسی زبان میں ۲۳۵ ۱ اشعار پر 'مثنوی اسرارِ توحید' ۱۳۲۰ھ/ ۱۹۰۲ء میں ترتیب دی گئی۔آپ نے اسے اخلاف کے لیے یادگار قرار دیا۔سات ہزار سات سو ستتر اشعار پر مشتمل شمس رِخشان ۱۳۲۴ھ/ ۱۹۰۶ء میں تین ماہ میں مکمل ہوئی۔'گلشن ِاسرار' ۱۶۸۷ اشعار پر مشتمل ۱۳۲۳ھ/ ۱۹۰۵ء میں ترتیب دی گئی؛ چشم تو با چشم حق را شد بدل، دیدی بحر آن خدای لم یزل۔ سنوحات اِلٰهیة والِهامات ربانیة شیخ عبد القادر بلخی کی اپنی خطاطی میں '۲۲۶۰' اشعار پر مشتمل ہے جس کا ۲۶ ربیع الاول ۱۳۳۱ھ/ ۵ مارچ ۱۹۱۳ء کو لکھا گیا نسخہ استنبول یونیورسٹی لائبریری '۳۳۶۰' نمبر کے تحت، محفوظ ہے؛ 'ہر آن انسان کامل از خدا شد، بہ خلقان ِخدا او رہنما شد۔' '۳۳۸۰' ابیات پر مشتمل صوفیانہ کلام کا ضخیم مجموعہ 'دیوان ِبلخی' ۱۳۳۲ھ/ ۱۹۱۶ء میں مکمل ہوا۔فارسی، چغتائی اور اناطولوی ترکی زبان میں علم وحکمت، طریقت، ادب، عرفان وتصوف اور

سیر وسلوک کا شاہکار ہے؛

أمیر المؤمنین سلطانِ دارین وصيّ مصطفیٰ و شاہِ کونین
که او شد کاشفِ أسرارِ قرآن که او شد حامل اسرارِ یزدان
ازو شد دین و إسلام آشکارا ازو شد عارفان واصل خدارا
ببحرِ علم او، نبود نهایت از ان باشد إمامت تاقیامت

اس دیوان میں موجود اشعار کے علاوہ آپ کے اشعار پینتیس ہزار سے متجاوز ہیں۔آپ نے سات کتب میں '۳۸۰۴۹' اشعار کہے جن میں مودت فی القربیٰ اور حضرت علی سے ارادت جھلکتی ہے۔مثنوی مولانا روم کے بعد آپ طویل صوفیانہ شاعری لکھنے والے دوسرے شاعر ہیں جس کی وجہ سے ترک عمائد انھیں عکسِ مولانا روم، ان کا ہم خط، معدّل ومتوازی قرار دیتے ہیں۔آپ فرماتے تھے ؛نی زخاک وآب وآتش نی زباد، این بود الهام از رب العباد۔آپ نے حنیفۃ اور فاطمہ سے عقد کیا جس سے اول الذکر سے چھ صاحبزادے (احمد مختار ۱۸۷۳ تا۱۹۳۳ء، محمد حبیب اللہ ۱۸۹۰ تا۱۹۷۰ء، علی سیف اللہ ۱۸۹۲ تا۱۹۳۶ء، نظام الدین، مصطفیٰ نور الدین، بہشت عبدالباقی) اور چار صاحبزادیاں (عالیہ کبریٰ، عالیہ صغریٰ، مومنہ زہرا، خدیجہ فیضیۃ) متولد ہوئیں جبکہ مؤخر الذکر سے ایک صاحبزادی صالحہ تھیں۔سید عبدالقادر بلخی کی اولاد ترکی میں آلِ قلیچ 'شاہ ذِوالفقار کی اولاد' کہلاتی ہے۔حنیفۃ سے آپ کے بڑے صاحبزادے سید احمد مختار آفندی بلخیزادہ آپ کے بعد شیخ الاسلام ہوئے۔

بلخیا این جا سخن را کن تمام جز مظاهر نیست جمله والسلام

سید محمد برہان الدین قلیچ: شیخ الِاسلام عبدالقادر بلخیکے برادرِخورد سید محمد برہان الدین قلیچ بلخی، شیخ سلیمان حنفی کے چوتھے صاحبزادے ہیں۔ ۱۲۶۵ھ/ ۱۸۴۹ء بلخ ولادت ہوئی اور ۴ مارچ ۱۹۳۰ء ہیبلی آدا جزیرے (Prince's Island) کے قبرستان میں دفن ہوئے۔حسینی بلخی اور کبھی ہاشمی علوی کی نسبت استعمال کرتے تھے۔تیرہ برس کی عمر میں قسطنطنیہ تشریف لائے۔والد سے علم وفن کا حصول کیا۔شگفتہ شاعر، کہنہ مشق خطاط، علوم وفنون سے پیراستہ، علی شیر نوائی ثانی کہلاتے ہیں۔آپ شعر وسخن کو روح کی غذا قرار دیتے اور محافل میں اپنے منفرد طرز بیاں سے زعفراں زار کیے دیتے۔قونیہ کے مشائخ اور مولانا روم کے گدی نشینوں سے مصاحبت تھی۔سلطنتِ عثمانیہ کے ممتاز کرد دانشور، طبیب اور سیاستدان عبداللہ بیگ جودت نے آپ کے وصال کے بعد 'An Oriental Intelligence Faded' کے زیر عنوان

آپ کے علم و ادب اور شخصیت کو سپاس پیش کیا جسے ممتاز تحقیقی جریدے اجتہاد نے شائع کیا۔آپ کے ترکی اور فارسی زبان میں لکھے گئے کلام کے خطی نسخہ جات سلیمانیہ اور سلجوق یونیورسٹی کے کتب خانوں میں محفوظ ہیں جنہیں ۲۰۱۲ء میں قونیہ سے جناب بہاء الدین قہرمان نے 'دیوان' کے زیر عنوان شائع کیا جس میں فارسی زبان میں ۱۵۷ غزلیں اور ۱۶۳۵ رباعیات، ترکی زبان میں ۱۸۳ غزلیات اور ۱۱ مثنویاں شامل ہیں۔علاوہ ازیں دلچسپ انداز میں لکھے گئے خطوط میں بھی رباعیاں شامل کیں۔شیخ الرئیس برہان الدین حسینی بلخی کے چار صاحبزادے یحییٰ کمال الدین، محمد موسیٰ، سلیمان جلال الدین اور احمد عیسیٰ تھے۔محمد موسیٰ دونوں ہاتھوں سے خطاطی کرتے۔سلیمانیہ لائبریری میں محفوظ شیخ سلیمان قندوزی کی کتب کے مسودات آپ ہی کے ترتیب دیے ہوئے ہیں۔

شیخ الاسلام احمد مختار آفندی : شیخ سلیمان حنفی کے پوتے اور سید عبد القادر بلخی کے بڑے صاحبزادے سید احمد مختار آفندی نے ابتدائی تعلیم والد سے حاصل کی اور علوم شرقیہ کے ساتھ جدید علوم، سائنس اور نقد نظر میں کمال حاصل کیا۔علم و عرفان، مذہب، تصوف، فلسفہ اور جدید سائنس کا امتزاج آپ کا اختصاص ہے۔آپ نے تصوف کو سائنسی استدلال اور شرق و غرب کے تقاضوں کے ساتھ سمجھایا۔آپ روایت کو منطق، تجزیہ، عقل و سائنس کے ذریعے پرکھنے کو ترجیح دیتے اور عدل، قانون ،معاشیات، تجارت، سیاست اور سماجی علوم میں حضرت علی کی تعلیمات سے رہنمائی لیتے تھے۔عرب و عجم کی ادبیات پہ دسترس، فارسی و فرانسیسی تہذیب کے مکمل شناسا، اسلامی اقدار کے ساتھ ساتھ یورپ کے ثقافتی رجحان اور عالمی سیاست کے بدلتے منظر نامے پر نگاہ آپ کے رشحات میں نمایاں ہے۔مذہبی ذمہ داری کے علاوہ انھوں نے عثمانی وزارت خارجہ میں تدریس کے فرائض سرانجام دیے۔مؤقر عالم، مؤثر صوفی، سلطنت عثمانیہ کے آخری شیخ الاسلام، خانقاہ مرادیہ کے آخری سجادہ نشین ہونے کے ساتھ ساتھ انھوں نے جدید ترک جمہوریہ کی پہلی دہائی کا مشاہدہ کیا۔مشائخ اور ملی اکابر پہ ہونے والے شدائد کو محسوس کیا۔تکالیف کو برداشت کیا لیکن آباء و اجداد کے افکار کی تفہیم اور فروغ میں دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔

خاندان سید البشر :بیس سال کے شب و روز کی محنت شاقہ سے آپ نے پانچ ہزار صفحات پہ مشتمل تحقیق کو ۱۵ ابواب، ۴۵ فصول میں ترتیب دیا۔قرآن و حدیث، سیرت النبی، احوال و اقوال، سوانح اہل بیت اطہار کا مفصل جائزہ، متابعت میں فلسفۂ حیات اور ان احکام و تعلیمات کے عملی مظاہر، قدسی پیکر سلمان فارسی، ابوذر غفاری، مالک اشتر، عمار بن یاسر، بلال بن رباح اور قنبر رضی اللہ عنہم کا احوال درج ہے۔عربی و فارسی کتب کے عمیق مطالعہ سے مستخرج مایہ ناز تالیف

'خاندانِ سیّد البشر ائمہ اثنی عشر' ۱۳۲۷ھ ابن الحسینی شیخ سیّد عبدالقادر آفندی زادہ احمد مختار کے نام سے عثمانی ترک زبان میں ترتیب دی گئی جسے مطبع احمد ساقی بیگ نے شائع کیا۔ عہد حاضر میں یہ کتاب شاہِ ولایت سرِّ ہدایت کے زیر عنوان ۲۰۱۲ء میں ترکی زبان میں شائع ہوئی۔اس کے علاوہ آپ نے اِلہامات قادریہ ترجمہ وتفسیر رسالہ غوثیہ اورقصید ہخمریہ کی شرح فرمائی۔فطرت کی جانب مائل ہونے کے ساتھ ساتھ عقلی استدلال پر بھی زور دیتے تھے جس باعث مذہبی روایت میں سائینسی درایت آپ کے علمی آہنگ میں نمایاں ہے۔قسطنطنیہ میں طریقت کے متنوع سلاسل کے مشائخ سے مراسم اور ہم آہنگی کے باعث آپ گہری سوچ اور افکار میں وسعت رکھتے تھے جس کے باعث آپ نے سیر وسلوک کی اصطلات کی توضیح، تشریح اور مبسوط نقد ونظر کے گرانقدر علمی اثاثے اخلاف کے لیے سپر دِ قرطاس کیے۔عربی تفسیر قلائد الزبرجد کے متن پہ فلسفیانہ گفتگو اورعرب وعجم کے شعراء وحکماء کے کلام وکتب کا تنقیدی جائزہ آپ کے مفاہیم میں عیاں ہے۔

خاندانِ سیّد البشر ائمّۃ اثنا عشر کے مندرجات کا جائزہ لیتے آپ کے تجزیاتی مطالعہ اور سائینسی اصولوں کے مطابق تصریح کا احساس اور آپ کی فکری نہج کا ادراک ہوتا ہے جس کی ترتیب میں آپ نے اپنے محاسن اور کمالات یکجا کرتے ہوئے خرد افروزی کے ساتھ ادبیات کا بھر پور استعمال کیا جو اس کتاب کی سطور میں مضمر ہے۔آپ کے تراجم میں عربی اور فارسی زبان وادب پر گہری نظر اور تہذیب وثقافت کا مطالعہ رعنائی بخشتے ہیں۔خانقاہی امور میں آپ نے شب ِجمعہ پند ونصائح کی محافل کا اہتمام کرتے اپنے والد کے انصرام کو قائم رکھا۔حسب ِروایت ختم خواجگان کے ساتھ ساتھ اسلامی ثقافتی مناسبات جس میں شھدائے کرب وبلا کی یاد اور عاشورا کی اقدار کا سالانہ اہتمام نمایاں ہے۔آپ کے دور میں خانقاہی زوایہ جات اور درگاہوں میں بے پناہ اضافہ ہوا جس میں آپ کی انفرادیت اور عظمت کو سب نے تسلیم کیا۔مشائخ اپنے مریدین کے جھرمٹ میں ملاقات کو آتے جن کی مدارت بلاتفریق اِمتیاز بجالائی جاتی۔درگاہی روایات اور صوفیانہ اطوار کو جدید خطوط پر استوار کرتے درگاہ کے کتب خانے میں کتب کا خاطر خواہ اضافہ اور تکیہ میں طبیعات وکیمیا کی تعلیم کا سلسلہ شروع کیا۔سائنس کی جدت کا بھر پور استعمال جس میں قسطنطنیہ میں ٹیلیفون کی آمد کے بعد اولین تنصیب اور مریدین کے لیے ذرائع نقل وحمل کی دستیابی بھی شامل ہے۔ہمہ گیر اثرات کے باعث آپ نے تصوف اور علم وادب کے دور رس اثرات کی پر جوش تحریک پیدا کی جس

باعث معاصرین میں ممتاز ہوتے گئے۔

کسی نے مولوی کا مطلب پوچھا تو انھوں نے جواب دیا 'مولا کا وفادار'،'خدا رسیدہ الٰہی انسان'،'خدا کا خاص بندہ'۔ پھر ایک قطعہ میں مولوی کی عظمت بیان کی؛

بی واسطه فیضیابِ شمس الدّین گویا که قمر مولوی أست

بر جذب ادر جهان ِتزویر در دائرۀ أفلاک مولوی است

مردم نمی میرند ۱۴ : ستمبر ۱۹۳۳ء کی رات آپ کا وصال ہوا۔اس سے پہلے آپ کے عقیدت مند آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو فرمایا: مجھے رات خواب میں والدِ بزرگوار کی زیارت ہوئی۔انھوں نے فرمایا مردم نمی میرند جوانمردوں کو فنا نہیں۔گمان کرتا ہوں کہ ابدی سفر کی تیاری ہے۔پھر آپ نے سلف صالحین اجداد کا ذکرخیر کرتے ان کی خدمات کو یاد کیا اور قطب العارفین سید ہاشم آفندی م ۲۷ رمضان ۱۰۸۸ھ کے مزار کے قریب دفن کیے جانے کی وصیت فرمائی۔آپ کو اَقطاب سید ہاشم آفندی اور بکر الرّ شاد آفندی کی قبور کے درمیان دفن کیا گیا۔ ۱۹۶۸ء میں گولڈن ہارن پل کی تعمیر اور ہائی وے کا منصوبہ سامنے آیا تو آپ کی قبرکشائی کی گئی۔آپ کے صاحبزادے سید علی زین العابدین نے آپ کو دوسرے مقام پر منتقل کیا۔صوفی شاعر شیخ عبدالباقی بابئکار دِہ نے آپ کا مرثیہ کہا؛

رفت از دنیا به عقبیٰ ناگه أوفخر أنام تیره شد ایّام ما از هجر وی مانندِ شام

أوکه مختار ست فخر أنبیاء را زون سبب کیست مختار السیّاده باقیا تاریخِ تمام

'مختار السّیادۃ' اور 'سیّدِ گرامی' آپ کی تاریخ وصال ہے۔

منابع

۱۔ اِکتفا القنوع بماھو مطبوع من أجل التآلیف العربیۃ فی المطابع الشرقیۃ والغربیۃ از ایڈورڈ کارنیویلس فنڈیک۔

۲۔ موسوعۃ الأسر الدِّمشقیۃ از محمد شریف عدنان صواف

۳۔ سلک الدّرر فی أعیان القرن ثانی عشر جلد ۴ از محمد خلیل مرادی۔

۴۔ دفتر قیودات مطبوعہ مکتبہ رواق اسلامبول ۲۰۱۷ء فارسی ترجمہ مکتوبات برہان الدین۔

۵۔ دیوان شیخ عبدالقادر بلخی طبع تہران ہفت وادی ۱۳۹۷ قید؛ قیود کی جمع الجمع ،عربی زبان کا لفظ ہے۔ دفاتر و محرّرات رسمیہ، قیودات عتیقۃ، رشحات۔

۶۔ سفینۃ الاَولیاء الأبرار از حسین وصاف ج ۲ ص ۲۲۷ تا ۲۳۰۔ پانچ جلدوں پر محیط سفینۃ الاَولیاء حسین وصّاف عثمان زادہ (م ۱۹۲۹ء) کی گرانقدر کاوش ہے جس میں عثمانی دور کے دو ہزار مشائخ کے بارے میں معتبر معلومات دی گئی ہیں۔ دوسری جلد میں سادات بِلخی اور ان کے ثقافتی اثرات پر بحث کی گئی ہے۔

***

لکھنوی اُردو غزل میں مسلم تہذیب وثقافت (کلاسیکی عہد)

*ڈاکٹر محمد اعجاز تبسم

Muslim Civilization and Culture in Lucknowi Urdu Ghazal(Classical Period)

Dr.Muhammad Ejaz Tabasum

Lucknow Ghazal not only fully expresses its era, but it is also the custodian of Islamic civilization, Sufism, its accessories and related beauty and love. Lucknow Ghazal also contains Persian and Arabic techniques, proverbs, allusions, similes, purely Islamic. In this age of Ghazal, where the glorious splendor of fire and mysticism has awakened its magic, Nasikh has brought it to life through beautiful techniques and words.The journalist has made his religious consciousness an adornment of the heart and soul of the society. His subjects like Islamic beliefs, lifestyle, social and cultural attitudes and instability of the universe are second to none.On the other hand, in the case of Insha and Jurat, although the painful tone and tone of Mir and Ghalib are not found, but their Ghazals also seem to be influenced by Islamic thought.In Insha's case, the social and religious manifestations of Indo-Islamic civilization have been described with great foresight and courage is also its male ground. Rangeen and Insha mixed both the insights and insights of Indo-Islamic civilization and through it gave a new consciousness to Urdu Ghazal.After this brief review, we now turn to the doctrine of Tawheed, the concept of beauty and love, the concept of the

* اسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اُردو، لاہور گریژن یونیورسٹی، لاہور

Hereafter, Islamic mysticism, Islamic cultural and religious background, religious and social symbols, Islamic civilization in the words of Atish, Mushafi, Nasikh, Insha and Jurat respectively.Symbols and symbols, cultural and social values, allusions and similes and Islamic traditions of life will be briefly mentioned.

With the fragrance of Joseph, Jacob felt fresh of mind

لکھنوی اُردو غزل مسلم تہذیب وثقافت کی رچاوٹ اور ہندی تہذیب کی گھلاوٹ کے ساتھ پروان چڑھی۔ اگرچہ یہاں اسلامی تہذیب کاوہ رنگ نہیں ہے جو دہلوی غزل کا مرہونِ منت ہے۔اس عہدِ غزل میں دہلوی عہدِ غزل کی تفویض کردہ تہذیبی اقدار روایات اور اخلاقی مضامین خال خال یہاں ملتے ہیں۔دلی میں داخلیت اس کی روح قرار پائی مگر لکھنوی عہد میں اُردو غزل کو رجائیت کی خلعتِ فاخرہ نصیب ہوئی۔ یہاں بھی دلی کی طرح اُردو غزل نے فارسی کے تتبع میں اپنے موروثی منصب کی توثیق برقرار رکھی۔

لکھنوی غزل نہ صرف اپنے عہد کی بھرپور ترجمان ہے بلکہ یہ اسلامی تہذیب،تصوف،اس کے لوازمات اور متعلقات حسن وعشق کی بھی امین ہے۔اس میں عربی وفارسی تراکیب،محاورات،تلمیحات اور تشبیہات خالصتاً اسلامی رنگ میں ملتی ہیں۔رنگین وانشا نے ہنداسلامی تہذیب کی بصیرت اور بصارت دونوں کے امتزاج سے اُردو غزل کو ایک نیا شعور بخشا۔اس عہدِ غزل میں آتش کی قلندرانہ شان اور متصوفانہ لے نے جہاں اپنا جادو جگایا ہے وہاں ناسخ نے اپنے خوبصورت اور معنی خیز محاورات،تشبیہات،علائم ورموز اور تراکیب وتلازمات کے ذریعے سے جان ڈال دی۔ مصحفی نے اپنے مذہبی شعور کو سماج کے قلب وروح کی زینت بنایا۔ان کے ہاں اسلامی عقاید،طرزِ حیات،سماجی وتہذیبی رویے اور کائنات کی بے ثباتی جیسے مضامین اپنا ثانی نہیں رکھتے۔انشا اور جرأت کے ہاں اگرچہ میر وغالب کا سادردمندانہ لب ولہجہ اور سوز وگداز نہیں ملتا البتہ ان کی غزلیات بھی اسلامی فکر سے اثر پذیر دکھائی دیتی ہیں۔انشا کے ہاں ہنداسلامی تہذیب کے سماجی ومذہبی مظاہر کا بیان بڑی دیدہ ریزی کے ساتھ ہوا اور جرأت بھی اس کے مردمیداں ٹھہرتے ہیں۔ اس مختصراً جائزے کے بعد اب ہم بالترتیب آتش، مصحفی، ناسخ، انشا اور جرأت کے کلام میں عقیدہ توحید،تصورِ حسن وعشق، تصورِ آخرت، اسلامی تصوف، اسلامی تہذیبی ومذہبی پس منظر، مذہبی وسماجی علامات، اسلامی تہذیب سے اخذ شدہ علائم ورموز،تہذیبی وسماجی اقدار،تلمیحات وتشبیہات اور اسلامی روایات زندگی کا اجمالاً تذکرہ کریں گے۔

ولی دکنی اور دیگر اُردو شعرائے غزل کی طرح آتش کے یہاں بھی اسلامی تہذیبی پس منظر ان کی غزل کا حصہ بنتا ہے۔ انھوں نے اپنی غزلیات میں اپنے زمانے کی مروجہ شعری روایت سے انحراف نہیں کیا اور بصورتِ دیگر اسلامی مزاج کو اپنی غزل کا غالب حصہ قرار دیا ہے۔ وہ اپنے کلام میں قرآن وحدیث سے ماخوذ تلمیحات وتشبیہات کو علامتی پیرائے میں سمو کر بہترین اسلامی شعور کا ثبوت دیتے ہیں۔ ان کے یہاں مذہبی عقاید اور اسلامی طرزِ فکر نمایاں ہے مثلاً (روح وجسم) اس پیکرِ گل کی وقعت واہمیت، اس کا عارضی پن، روح کی اصل حقیقت کیا ہے، بدن پر روح کو ترجیح دینا یہ سب ان کے اسلامی شعورِ ذات کی نمایندگی کرتا ہے۔ بقول ڈاکٹر سعد اللہ کلیم:

"ہند اسلامی تہذیب میں زمین کی عزت ومحبت زیادہ ہندی رجحان رہا ہے جب کہ آسمان کی تکریم بیشتر اسلامی رجحان رہا ہے۔ اُردو غزل میں بدن پر روح کو ترجیح دینے کا رویہ دراصل ہند اسلامی تہذیب میں اسلامی شعور کے غلبے کا ثبوت ہے اور آتش کی غزل بھی اسی پر عامل ہے۔"(۱)

آتش راسخ العقیدہ مسلمان تھے لہٰذا اپنی مربوط خاندانی میراث کے پیش نظر اسلامی مذہبی وسماجی اور تہذیبی اقدار وروایات ان کی پاکیزہ صفت حیات کا حصہ بنیں۔ ان کا تعلق اپنے عہد کے باوقار اور پُر اثر صالحین سے رہا اس لیے ان کی زندگی پر فقر و درویشی، قناعت، استغنا، عجز وانکساری اور ایثار وقربانی جیسے اخلاقی رویوں کا غلبہ نظر آتا ہے۔ درویشی ومسکینی ان کی زندگی کا مرکز ومحور تھی۔ وہ قانع اور درویش صفت انسان ہونے کی بنا پر دنیاوی جاہ ومنصب پر فقر کو ترجیح دیتے تھے۔ آپ کے کلام میں نہ صرف لکھنوی مزاج کی پاسداری ملتی ہے بلکہ اس میں آپ کی فقیرانہ طبیعت کے پیش نظر دردمندی اور تاثیر قلب پیدا ہوئی ہے۔ انور سدید کے بقول: "آتش کی شاعری لکھنوی مزاج کی آئینہ دار ہے۔ اس میں جو اثر اور درد ہے وہ ان کی قناعت پسندی اور درویش مزاجی سے پیدا ہوا ہے۔"(۲)

میرے یوسف سے ہے اعجاز مسیحا باقی ٹھوکریں مار کے مردوں کے ہے زندہ کرتا(۳)

آتش کی غزل میں موجود روحانی اقدار، تہذیبی روایات اور اخلاقی رویوں کا احساس، صوفیانہ طرزِ ادا، بے نیازی کی کیفیت، بے ثباتیٔ کائنات کا مذکور، صبر وتوکل کی فضا، استغنا اور ایثار وقربانی کا جذبہ اور بالخصوص اخلاقیات واقدار سے مزین فکری لرزشیں ان کے اعلیٰ ادبی ذوق اور اسلامی تہذیب سے فطری ارتباط کی جانب اشارہ کرتی ہیں۔ ان کے کلام میں اسلامی تصوف کی رنگارنگی مذہب اسلام سے ان کی دلی رغبت کا بہترین ثبوت ہے۔

سامریٔ وقت وہ چشمِ فسوں پرداز ہے روئے روشن کم ید بیضائے موسیٰ سے نہیں(۴)

جمال دوست ہوں یٰسیں کے بدلے وقتِ اخیر سنوں گا سورۂ یوسف زبانِ قاری سے(۵)

خط کا آغاز ہوا اس رُخِ نورانی پر چل بسی صبحِ وطن، شام غریباں آئی(۶)

کیوں نہ یعقوبؑ کو یوسفؑ ہو عزیز کس کو پیارا نہیں فرزند اپنا

سر ترا ہم کو ہے مصحف کی جگہ ہے یہ ایماں، تری سوگند اپنا(۷)

بوئے یوسفؑ سے ہوا تازہ دماغ یعقوبؑ للہ الحمد صبا مصر سے کنعاں آئی(۸)

ان اشعار میں جہاں رب عظیم کی وحدانیت کا شعور اپنی جلوہ گری دکھار ہا ہے وہاں آتش کے مذہبی وفکری شعور کا اندازہ لگانا بھی آسان ہے۔ان کی غزل پر اسلامی فکر اور مذہبی پر چھائی چھائی ہوئی نظر آتی ہے۔ یہاں مسجد، خدا، مست، الست، قلزم، ہستی، صوفیوں، وجد، درگاہِ الٰہی، جلوۂ یار، عالم امکاں، عارف، یوسفؑ، صانع، صنعت، قدیم وجدید، مقام ہُو، دیر وحرم، پردۂ غفلت، اللہ، الا، چشمِ وحدت بیں اور مومن جیسے اسلامی مذہب وتہذیب سے متعلقہ اشارے اور محبوبِ مجازی کے لیے سورۂ یوسف، مصحف، قرآن، تلاوت، حور اور عیسیٰ جیسے الفاظ کا تقدس بخوبی واضح کرتا ہے کہ ان کی کلام میں اسلامی تہذیبی و مذہبی پس منظر نمایاں ہے۔ڈاکٹر گوپی چند نارنگ آتش کی ذہنی تربیت میں تصوف کے اثرات کی کارفرمائی کے ضمن میں لکھتے ہیں :

”آتش کا معاملہ دیگر لکھنوی شعرا سے کچھ الگ ہے۔آتش کے آباوٴ اجداد بھی میر کے آباوٴ اجداد کی طرح صوفیا کے سلسلوں سے تعلق رکھتے تھے اور تصوف کے اثرات ان کی ذہنی تربیت میں کارفرما تھے تاہم عشق کا بنیادی جذبہ ان کے یہاں مجازی ہے۔“(۹)

جس پر صوفیانہ طرزِ زیست، اخلاقی اقدار، روحانی طرزِ فکر، لکھنو کی تہذیبی و ادبی روایات، اسلامی تہذیب کے مذہبی رنگ اور اس کے بنیادی عقائد کی ملمع کاری کی گئی ہے۔ ید بیضائے موسیٰؑ، سامریٔ وقت، جمال دوست یٰسین، سورۂ یوسف، زبانِ قاری، رُخِ نورانی، شامِ غریباں، مصحف، ایمان، یوسفؑ اور یوسفؑ جیسی اسلامی تاریخ و مذہبی سے ماخوذ پُر مغز اور معنویت سے بھر پور تراکیب ان کے فطری رجحان کی آئینہ دار ہیں۔

اسلامی تہذیب کے مذہبی رنگ، تاریخی واقعات اور جاہ وحشمت سے بھر پور زندگی ان کی غزل میں عیاں ہوتی اک نیا اور دیدہ زیب زاویہ اختیار کرتی نظر آتی ہے۔وہ قرآن پاک سے عطر کشید کر کے اپنے ملمع اشعار کو جمالیاتی رنگ میں ڈھالتے ہیں۔حضرت یوسفؑ اور زنانِ مصر کا واقعہ، طواف، محرابِ کعبہ، بیمار عیسیٰ، دامن مریمؑ، مہر سلیماں جیسی

تراکیب اور حضرت موسیٰؑ کا اللہ سے گفتگو کرنا یہ سب اسلامی تہذیب و تاریخ سے ماخوذ واقعات ان کے حد درجہ مذہبی لگاؤ اور دین اسلام سے محبت کو ظاہر کرتے ہیں ۔

قید عفت میں ہے وہ محبوب عاشق جاں بلب — نزع میں بیمار عیسیٰؑ، دامن مریمؑ میں ہے(۱۰)

گرد پھرنا تیرے اے بت عاشقوں کو ہے طواف — عالم محراب کعبہ ابروؤں کے خم میں ہے(۱۱)

ناسخ کی غزل کا خمیر اسلامی تہذیبی اقدار وروایات واقدار، عبادات، مذہبی عقاید اور دیگر مذہبی وتاریخی علامات سے اُٹھا ہے ۔اُن کے دیوان کی ابتدائی غزلیات اپنا بھرپور اسلامی تہذیبی و مذہبی پس منظر رکھتی ہیں ۔پہلی غزل میں موجود خوبصورت تراکیب، تاریخ اسلام سے منسلک واقعاتی اشارے، تلمیحات، قرآنی آیات، جناب امیرؓ، روح القدس، دستِ خدا، گیسوئے مشکین مصطفیٰؐ، ھل اتی، قل ھو اللہ احد، شہپر ملک الموت، تختِ سلیمان، علیؓ، آبِ پاکِ دہانِ نبیؐ، مرتضیٰؓ، جنابِ بشیر و نذیرؐ اور شاہِ رسل اپنا بھرپور اسلامی عہد یاد دلاتے نظر آتے ہیں ۔کلیاتِ ناسخ، جلد اول کی دوسری غزل نعتیہ رنگ میں ہے جس کا مطلع و مقطع یہ ہے:

دکھا اس کو جہاں میں غل ہے جس کی آمد آمد کا — الٰہی ہوں بہت مشتاق دیدارِ محمدؐ کا(۱۲)

معانی "قل ھو اللہ احد" کے ہیں عیاں ناسخ — برائے قافیہ رکھا ہے میں نے میم احمدؐ کا(۱۳)

یارسول اللہ ناسخ کو بچا لینا ضرور — عشق ہے اس کو تمام اصحاب سے اور آل سے(۱۴)

ناسخ نے عشق کو ایک مذہب، عبادت اور فطری جذبے کا درجہ عطا کر دیا ہے، یعنی ان کے کلام میں عشق کو اولیت حاصل اور مذہب ثانوی درجہ رکھتا ہے ۔ناسخ کے تینوں دواوین میں حمد، نعت، منقبت، عقیدہ توحید (الٰہیات کا تصور)، حب آل رسول، حب اہل بیت اور صحابہ کرام کا تذکرہ یہ بخوبی واضح کرتا ہے کہ وہ اسلامی تہذیب و مذہب سے کتنا شغف رکھتے ہیں ۔ڈاکٹر سعد اللہ کلیم نے ناسخ کے دیوان میں موجود سات ہزار اشعار میں کم و بیش پونے دو سو اشعار حضرت علیؓ، اہل بیت رسول ائمہ اور اصحابِ کربلائے معلیٰ سے متعلق شمار کیے ہیں ۔(۱۵)

بہر کیف وہ اپنے کلام میں کہیں بھی ہند ایرانی ضبط و نفاست اور اسلامی تہذیب کا احساس جمال و عشق محض جذباتی اور جمالیاتی تسکین کے سبب رسماً یا رواجاً لانے کی سعی نہیں کرتے بلکہ انتہائی خوش سلیقگی کے ساتھ اسلامی تاریخ و تہذیب کو اپنے تخیل کی زینت بناتے ہیں ۔

ہے نہاں صبحِ شبِ غم کیا ہوئی تاثیر ختم — سورۂ والشمس اپنے قرآں میں نہیں(۱۶)

لکھنوی اُردوغزل پراثنا عشریت نے دیگرسماجی اقدار وروایات اورمذہب کی نسبت اپنے زیادہ اثرات مرتسم کیے ہیں ۔لہٰذاوقت کے ساتھ ساتھ مرثیہ،نوحہ اور دیگر واقعات اہلِ بیت کابیان یہاں آہستہ آہستہ ایک مستندروایت کی صورت اختیار کرگیااس لیے مرثیہ سے ماخوذ اسلامیانہ مذہبی وتہذیبی علامات نےبھی اُردوغزل کارُخ کیااور یوں اس کادامن وسعت سے ہم کنار ہوا۔

رہے کیونکر نہ دل ہر دم نشانہ ناوکِ غم کا　　کہ ہے میرا تولد ہفتمِ ماہ محرم کا(۱۷)

لوح محفوظ اک نگینہ ہے علیؓ کے نام کا　　عرش کہتے ہیں جسے زینہ ہے اس کے نام کا(۱۸)

دین و دنیا سے تبرّا مثل ناسخ ہے مجھے　　بس دلا کافی تولا ہے نبیؐ کی آل کا(۱۹)

ناسخ کے کلام میں اسلامی تہذیبی اقدار وروایات کااحترام اورمذہبی تقدس ایک باوقاراور پُرخلوص جذبے کی صورت میں ڈھل جاتا ہے۔مسواک،دستار،شیر خدا،موسیٰ،ہارون،ثعبانِ موسیٰ،یوسف،کوثر،علی اورگنبدجیسی اسلامی تہذیب سے اخذشدہ علامات ان کےفطری اسلامی ذوق کانتیجہ ہیں۔

وضو ہے ہاتھ دھونا جان سے سجدہ ہے سر کٹنا　　طریق عشق میں ہےقتل گہ مسجد نمازی کو(۲۰)

نہ سجدۂ درِ جاناں سے سر اٹھاؤں گا　　یہ وہ نماز ہے جس کا کبھی سلام نہیں(۲۱)

دستِ پیغام بر یار میں مکتوب نہیں　　آ کے موسیٰؑ نے دکھایا یدِ بیضا مجھ کو(۲۲)

کلامِ ناسخ میں توحید،رسالت،امامت،ولایت،واقعاتِ کربلا،ائمہ وشہدا،شہدائے کربلا کا تذکرہ جس ادب و احترام اور جذباتی و مذہبی ذوق کی صورت میں ملتا ہے۔وہ قابل صدتحسین ہے۔اولیائے کرام سےخلوص کا جذبہ اور اخلاص پرمبنی عشقِ محبوب ان کو اسلامی مزاج سےمتصف شاعر کےطور پر دکھاتے ہیں۔وہ لکھنوی مزاج کی خارجیت کو اسلام کے داخلی نظام میں سموکراس وارفتگی کےساتھ پیش کرتے ہیں کہ اسلامی تہذیب وتاریخ کےسنہرے دورکی یادتازہ ہوجاتی ہے۔ڈاکٹرسعداللہ کلیم لکھنوی معاشرت کی خارجی وداخلی صفات کازائچہ کچھ اس طرح سے کھینچتے ہیں:

"لکھنوی معاشرے میں خارج کامشاہدہ اگرچہ عیش کوشی اوردنیاطلبی کی سمت اشارہ کرتاہےلیکن اس کی تہہ میں مذکورہ عمومی اقدار کےبعض صحت مندمذہبی عقاید بھی موجود رہےت ہیں مثال کےطور پر توحید رسالت،امامت،ولایت کاتصورواضح ہےاوراس کی لوگوں پرواضح گرفت ہے۔اللہ تعالیٰ اوررسول پاکؐ کے بعدحضرت علیؓ اوراہل بیت رسول سے بےحدعقیدت اس معاشرے میں بڑائی اورنیکی کامعیاری

ہے ۔ واقعہ کربلا کے حوالے سے ظالم سے نفرت اور مظلوم سے ہمدردی کا رجحان نمایاں ہے ۔شہدا کا احترام واجب ہے ۔لوگوں کو رحمت کی صفت باری تعالیٰ زیادہ کھینچتی ہے بہ نسبت عدل کے،شفاعت پر عام عقیدہ ہے ۔اولیاءاللہ اور آئمہ وشہدا کو بعد مرگ بھی موثر فی الحیات من جانب اللہ سمجھا جاتا ہے ۔"(۲۳)

اس کا مطلب ہے کہ اسلامی تہذیب لکھنوی تہذیب و معاشرت کے باطن میں اپنا عکس جمیل بکھیر رہی ہے جس کی بڑی وجہ یہاں کی امام بارگاہیں،محرم الحرام کی سالانہ رسومات ، ذوالجناح ،اہل بیت اور معصومین کی یاد میں تعزیہ، ماتمی جلوس، ذاکرین، ذکراہل بیت کی محافل ومجالس کا انعقاد اور نذرِنیاز حسینؓ کی تقسیم ہے ۔ان اجتماعی مجالس کے اہتمام سے خواص وعام میں مذہبی بیداری اور تہذیبی شعور کی فضا پیدا ہوئی ۔

ایثاروقربانی کا جذبہ اسلامی تہذیب وحیات کا لازمی حصہ ہے(حضرت اسماعیلؑ اور حضرت امام حسینؓ عشق و ایثار اور قربانی کا منتہائے مقصود ہیں) ۔حسن وعشق میں وحدت کا تاثر رب کائنات کے یکتا اور بے مثل ہونے کی پختہ دلیل ہے ۔متصوفانہ طرزِفکر اور اسلامی روایاتِ زندگی کی صورت میں صوفیاے کرام کے یہاں عشق حسن میں تحلیل ہو کر حسن کی صورت میں جلوہ گر ہوتا ہے ۔حسن وعشق کا وصال بہت اہمیت کا حامل ہے ۔

مصحفی نے اپنے کلام میں بجا طور پر مذہبی تقدس اور اس کی اخلاقی اقدار و روایات کو لکھنو جیسی جذبات سے عاری تہذیب میں بھی زندہ رکھا۔اس عہد میں مرثیے کے توسط سے بعض اسلامی مذہبی عقاید کھوکھلی تہذیب کی جڑوں میں جگہ پا لی جیسا کہ توحید الٰہی کا بیان، رسالت مآبؐ سے گہری محبت ،رسالت کے بعد امامت وولایت کا مرتبہ،حب اہل بیتؓ ،حضرت علیؓ اور حضرت محمدؐ کی قدرومنزلت ،واقعاتِ کربلا کا سرسری طور پر اُردو غزل میں تذکرہ اور شہدائے کرب و بلا کی عزت وتکریم، آئمہ آل محمدؐ، اولیائے اسلام کا مذکور، جنت ، دوزخ ،رسالت مآبؐ، نماز ،روزہ ،حج ،قیام،رکوع ،سجود،تصور اللہ،تصوف سے متعلقہ،علائم ورموز ،اصطلاحاتِ مذہبی ،تعزیہ،محرم،اسلامی سماج کے باطنی مظاہرے اور اس کے خارجی عناصر کا بیان بھی ان کے کلام کا حصہ بنا ہے ۔

جب قسم کھانے لگا میں اختلاط غیر کی
دوڑ کر کافر نے میرے سر پہ قرآن رکھ دیا(۲۴)

کہہ تو کیا وصف ہے اے چاہ زنخداں! تجھ میں
نہیں جاتا جو ترا تشنہ لبِ کوثر پر(۲۵)

دم نہ نکلے ترے مشتاق کا اس پر دم نزع
ختم سو بار اگر سورۂ یسین ہووے(۲۶)

سینے میں مجھے اپنی تجلی نظر آئی
میں عشق میں موسیٰؑ تھا مرا طور یہی تھا(۲۷)

کوئی جا کے بلا لائیو ایوب کو میرے(۲۸)　　صابر مجھے دیکھا جو بلاؤں میں تو بولا

جب اس نے قدم مصر کے بازار میں رکھا(۲۹)　　دکان پہ یوسف کی نہ کوئی نظر آیا

مصحفی اپنے کلام میں اسلامی تہذیبی و مذہبی روایات اور بالخصوص قرآنی واقعات سے استفادے پر مبنی ایسے عظیم کرداروں کو پیش کرتے ہیں جن کے پُرعزم ہونے، صبر کرنے اور حسن و جمالِ فطرت کی مثالیں اسلامی سماج میں دی جاتی ہیں۔ مثلاً حضرت ایوبؑ کا صبر مشہور ہے اور کتابِ مبین میں اس کا ذکر آیا ہے۔ اسی طرح حضرت یوسفؑ حسن و جمال کے پیکر تھے، جن کے حوالے سے قرآن میں سورۂ یوسف موجود ہے جس میں ایک شخص کے زوال و عروج کی داستان رقم کی گئی ہے۔ بہرکیف شاہانِ اسلام کا ذکر اور محبوب کی خوبصورتی کو نمایاں کرنے کے لیے مذہبی اشاروں سے کام لینا بھی وہ خوب جانتے ہیں۔

چہرے کی جگہ سورۂ والنور کسی نے(۳۰)　　تصویر جو کھینچی تری لکھ کر کے لگا دی

مصحفی کے کلام میں اسلامی تاریخ و مذہب سے اخذ شدہ علائم و رموز مثلاً عیدگاہ لعل بدخشاں، سورۂ والنور، رکوع، سجود، محراب، منبر، قندیل، کنعاں، مصر اور یوسف وغیرہ ان کے فکری شعور اور تہذیبی رجحان کی توضیح کے لیے کافی ہیں۔ انھوں نے معاملات حسن و عشق، محب اور محبوب کے درمیان التفات، جذبہ و عمل اور ان کے مقدس رشتے کو رسوا نہیں کیا بلکہ مشرقی روایات کی روشنی میں اعزاز ضرور بخشا ہے۔ اسلامی تہذیب سے اخذ شدہ جمالیاتی اشارے نہ صرف ان کے مذہبی ذوق کی طرف اشارہ کرتے ہیں بلکہ ان کے احساسِ جمال کو اور بھی تقویت بخشتے ہیں۔ گوپی چند نارنگ کے بقول: ''مصحفی کی شاعری احساس جمال کی رنگینی و لطافت سے سرشار ہے۔''(۳۱) خارجیت کی پروردہ لکھنوی تہذیب میں مصحفی کے ہاں مذہبی تاثرات کا ملنا خوش آیند بات ہے۔

رفو کو اس کے تا ادریس پیغمبر نہیں آتے(۳۲)　　ہمارا چاک دل پاتا ہے کب پیوند ناصح سے

جرأت کی غزل خالصتاً اسلامی تہذیبی و مذہبی پس منظر لیے ہوئے ہے ابتدا ہی سے دیوان کی پہلی غزل حمدیہ اشعار پر مبنی ہے۔ دوسری میں نعت اور بعد ازاں منقبت حضرت علیؓ، حب اہل بیت رسولؐ اور معصومین سے گہری وابستگی کا اظہار اس بات کا پختہ ثبوت ہے کہ وہ اپنے مذہبی عقاید اور اُردو غزل کے عمومی رویے کے مقلد نظر آتے ہیں:

''جرأت کی غزل سے جو ایک عام مذہبی رویہ متباد رہوتا ہے اس کے دو پہلو ہیں ایک تو سیدھا سادا اعقاید پر مبنی پہلو ہے جس میں اس کے ہاں حمد اور نعت کے بعد منقبت علی کو فضیلت حاصل ہے۔ ان کے بعد

اہل بیت رسولؐ اور معصومین سے عقیدت کا اظہار ملتا ہے۔ رسولؐ پاک کو جرأت سراپا نور قرار دیتا ہے۔"(۳۳)

سراپا نور حق نام خدا کہیے نہ کیوں اس کو — کہ جس کا نقش پا ہو جبہ سا ساری خدائی کا(۳۴)
اس مہر ولایت سے جو ذرہ بھی رکھے بغض — مردود دو عالم ہے یہاں کا نہ وہاں کا(۳۵)
چودہ طبق ہیں چار دہ معصوم سے قائم — ہر ایک انھوں میں سے ہے حصے سرورِ دو جہاں کا(۳۶)

جرأت (شیخ قلندر بخش) کی غزلیات میں اسلامی تہذیب و مذہب سے ماخوذ تلمیحات، استعارات، تشبیہات اور بعض علامات اپنا بھرپور اسلامی مذہبی و تاریخی پس منظر رکھتی ہیں۔ انھوں نے علامتی پیرائے اور کنایاتی صورت میں اسلامی تہذیب سے مستفاد تصورِ حسن و عشق کو بھی اپنے شعورِ ذات کا حصہ بنایا ہے۔ ان کا یہ تصورِ حسن بھی خالصتاً اسلامی تہذیب و مذہب سے مستعار ہے۔ اس میں اسلامی تہذیب کی داخلی و خارجی پرت اپنی واضح ترین صورت میں موجود ہے۔ یہاں حقیقی اور مجازی حسن کا اتصال و ارتباط خالصتاً مذہبی رنگ لیے ہوئے ہے:

ہیں لازم و ملزوم بہم حسن و محبت — ہم ہوتے نہ طالب جو وہ مطلوب نہ ہوتا(۳۷)
خوباں جہاں کی ہے ترے حسن سے خوبی — تو خوب نہ ہوتا تو کوئی خوب نہ ہوتا(۳۸)

اُردو غزل کی تہذیبی و فکری روایت کے پیش نظر ہند اسلامی تہذیب و معاشرت میں بعض مذہبی و سماجی اقدار و روایات اور توہمات مثلاً تعویذ گنڈے، عمل کرنا، جادو کرنا، ٹونے ٹوٹکے، چھومنتر، لہو سے محبت کا تعویذ لکھنا، فاتحہ پڑھنا، مزاروں پر چادر چڑھانا، درباروں پر پھول چڑھانا، قل کی رسم، چہلم کی رسم اور بعض مذہبی ترجیحات و رجحانات میں مزاروں پر جانا، قبرستان میں میت کے ساتھ عورتوں کا جانا، منت ماننا، چراغ جلانے کی رسم، پھول چڑھانا، چڑھاوے چڑھانا وغیرہ، یہ سب دیگر لکھنوی غزل گو شعرا کی طرح جرأت کی غزل کا بھی حصہ بنے ہیں۔

یوں خلیل اسکو نہ آسان سمجھیو ہرگز — آتش عشق ہے یہ آتش نمرود نہیں(۳۹)
یہی رونا ہے تو عالم نظر آتا ہے بہہ جاتے — غرض طوفانِ نوح آنسو مرے لاویں گے بہہ بہہ کر(۴۰)

انشا کی غزل کے ثقافتی رجحانات، ان کی مذہبی ترجیحات اور اخلاقیانہ روش بجا طور پر اس امر کے شاہد ہیں کہ وہ اسلامی مشرقی تہذیب و اقدار اور روایات سے بے انتہا خلوص اور جذباتی حد تک دلچسپی رکھتے تھے۔ ایک مسلم گھرانے کے فرزند ارجمند اور اثنا عشری عقاید کے مالک ہونے کے ناطے انھوں نے حب رسولؐ، علیؓ و حسنینؓ اور فقہ جعفریہ سے

شغف کا تذکرہ جا بجا اپنی غزلیات میں کیا ہے، جس سے نہ صرف ان کا عمومی مذہبی رویہ کھل کر ہمارے سامنے آتا ہے بلکہ مذہب کے حوالے سے ان کی وسعتِ نظری کا بھی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔(۴۱)

ان کی غزلیات نمبر ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸ کلیات انشا جلد اول، ص ۱۲۸ تا ۱۳۳ اپنا مکمل اسلامی تہذیبی و مذہبی اور تاریخی پس منظر رکھتی ہیں۔ یہاں ہم ان کا صرف ایک ایک شعر درج کیے دیتے ہیں:

نفی اثبات کے شاغل جو قلندر ہیں سو وہ — اپنی گردن کو نہیں کرتے ہیں خم یا معبود(۴۲)

ہر طرح رہتے ہیں خوش ہم فضل مولا سے مدام — خاک منہ میں ان کے جو کہتے ہیں، ہیں ایام بد(۴۳)

نظر کر علیؑ کو قرین محمد — ہوا نور حق ہم نشین محمدؐ(۴۴)

یاں سینہ ہے مدینہ اور دل نبی کی مسجد — کیوں قبلہ پہنچتی ہے، اس کو کسی کی مسجد؟(۴۵)

کھینچتا ہوں نعرۂ حق کھیلتا دھتال ہوں — اے مرے سائیں مدد، داتا مدد، مولا مدد(۴۶)

انشا نے اپنی غزلیات میں اسلامی تہذیب سے وابستہ شہرہ آفاق ہستیوں کو بھی زینت شعر بنایا ہے مثلاً مخدوم جہانیاں جہاں گشت، حضرت مسعود غازی، حضرت اویس قرنی، صوفی سرمد شہید، شمس تبریز، مولانا روم (جلال الدین رومی) وغیرہ بعض صوفی شعرا کا ذکر خیر بھی ان کی غزلیات کا حصہ بنتا ہے۔ شیخ سعدی شیرازی، خواجہ حافظ شیرازی، رومی اور پنجابی متصوفانہ شاعری سے وارث شاہ اور شاہ مدار اس ضمن میں بہت اہم ہیں:

شمس تبریز ہمارا یہ جگر کا ہے داغ — رہتے ہیں جس سبب اس مہر درخشاں سے لپٹ(۴۷)

انشا متصوفانہ مزاج بھی رکھتے ہیں۔ ان کی اثنا عشری عقاید پر راسخ العقیدگی یہ ثابت کرتی ہے کہ وہ شیعہ اسلامی مذہب سے بے پناہ لگاؤ اور اسلامی تہذیب کے مطیع ہیں۔ ان کا ایمانِ کامل ہے کہ عالم موجودات میں جمالیات اور اس سے متعلقہ لوازمات و جملہ مظاہر کائنات وحیات کا مصدر و مآخذ صرف اللہ رب العزت ہے۔ اس جہانِ فانی اور مظہرِ حیات کا جمالیاتی سرچشمہ اللہ الصمد ہے۔ اس حسن مطلق کے بموجب انسان اور مظاہر کائنات روشن ہیں۔

ہیں آپ جیسے یوسف کنعاں بعینہ — چھب آنکھ، ناک، منہ لب و دندان بعینہ(۴۸)

وہ اپنے کلام میں اسلامی تہذیب و تاریخ سے واضح ترین تماثیل و تلمیحات کے توسط سے عشق کے اصل مصدر و مآخذ کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ مندرجہ ذیل اشعار کی مدد سے انشا کے فکری میلان اور تہذیبی شعور کو آسانی سے پرکھا جا سکتا ہے کہ وہ کس حد تک اسلامی ہے۔

آہ اپنی خامۂ جبریل سے مدام کھنچے ہے اڑ کے جعفر طیار کی شبیہ
رتبہ کھلے جو تجھ پہ فنا فی الرسول کا تو سب میں سوجھے احمد مختار کی شبیہ
اے نقش بند "کن فیکون" ایک کھینچ دے بندے کے دل پہ حیدر کرار کی شبیہ(۴۹)
مجھے کیا ملائک عرش سے مجھے عشق تیرا ہے اے خدا بہت ان کو لکھوں تو والسلام علیٰ من اتبع الہدیٰ (۵۰)
ہے یاں وہ نخل عشق میں دیوانہ پن کی شاخ جس کے اگے نہال اویس قرن کی شاخ(۵۱)
زلزلہ قیامت کا اور صورِ اسرافیل ہوتے ہیں خجل سن کر ہوئے خانۂ خمار(۵۲)

انشا کی غزل نے کہیں شعوری ولاشعوری طور پر اسلامی تہذیب و مذہب کے اہم اصول رواداری و مساوات کو موضوع بنایا ہے تو کہیں عدم مساوات اور طبقاتی امتیاز پر نقد زنی بھی کی ہے۔ان کے کلام میں خاص طور پر اسلامی تہذیبی و مذہبی پس منظر میں کہیں اسلامی مساوات اور حلال وحرام کا تصور جو اسلامی تصوف اور فکر اسلامی میں گندھا ہوا ہے نمایاں ہوا ہے۔ یہ ان کے یہاں "الکاسب حبیب اللہ" کی صورت میں جلوہ گر ہوتا ہے۔کیوں کہ اسلام میں اپنے ہاتھ سے روزی کمانے کا تصور مذہبی سطح پر بڑی پاکیزگی کا روادار ٹھہرتا ہے:

ہے "و ما لہ و ما کسب" آیا قرآن میں ان مال ہووے یعنی سو وہ ما کسب رہے(۵۳)

اس ہم آہنگی کے پیش نظر ان کی غزل میں اک فطری حسن نے اپنا جادو جگایا ہے۔جس سے سرزمین ہند سے ان کا گہرا عشق اور اسلامی تہذیب سے ان کا فطری لگاؤ سامنے آتا ہے۔وہ اپنی غزلیات میں ایسی بے شمار تلمیحات، تشبیہات اور استعارات لاتے ہیں جن کا تعلق مذہب اسلام سے ہے۔وہ اپنے کلام میں کئی قرآنی تلمیحات اور مذہبی علامات و اشارات کے ذریعے سے اسے معنی خیز بنا دیتے ہیں صرف غزل ہی نہیں بلکہ ان کے کلیات جلد اول میں ص ۳۵۶ پر ایک مخمس نمبر ۳۴۲ میں اسلامی تہذیبی و مذہبی اور تاریخی پس منظر کی جھلک بطور خاص دیکھی جا سکتی ہے۔

"تبت یدا ابی لہب" پڑھ کے اک عزیز یک چند بھاگ کر کسی کونے میں دب رہے(۵۴)
اے عشق جلوہ گر ہے خود تجھ میں ذات مولا والسابحات سبحا والسابقات سبقا(۵۵)
عمل "یا حیی" "یاقیوم" کا رکھتا ہوں میں انشا پر اس (کو) کوئی سمجھے "یا اولی الالباب" کا گٹکا(۵۶)
سبزا اگر چڑھانا منظور صبح دم ہو تو لیجے برگ کوئی والناشطات نشطا(۵۷)
انھیں بھوک پیاس سے کیا کام غرض وہ جو قید تن سے ہوئے رہا

ثمر جناں انھیں دیویں گے واتوبہ متشابھا(۵۸)
حفاظت بحر و بر کی تب تو سونپی جائے قدرت سے
بند ہے جب خضر اور الیاس سے مرتاض کا جوڑا(۵۹)

نظر آئے ترے انشا اگر وو نرگس جادو تا باہم لڑ پڑے ہاروت اور ماروت کا جوڑا(۶۰)

مجھے کیا ملائک عرش سے، مجھے عشق ہے ترا اے خدا بیت ان کو لکھوں تو والسلام علیٰ من اتبع الہدیٰ(۶۱)

انشاءاللہ خان انشا کے ان درج بالا اشعار میں اسلامی تہذیب وسماج اور مذہب، اس کے عقاید، اقدار اور روایات سے اخذ شدہ علامات، افکارِ اسلامی، اشارے وکنایات، بعض تاریخی حوالے، اسلامی تاریخ سے معتبر کردار وغیرہ اور قرآنی آیات کا موضوعِ سخن بننا ان کے فکری رجحان اور تہذیبی پس منظر کا واضح ترین ثبوت ہے۔ مثال کے طور پر اورنگ زیب عالم گیر، جامی، نظامی، سعدی، حضرت علیؓ، مہدی دین، چاہ بابل، سحر سامری، زنبیل عمرو عیار، تبت یدا ابی لہب، زاہد، بیت الحرام، طوفِ حرم، شیخ حرم، احرام، والسابقات بی یا اولی الباب، والناشطات نشطا، واتو بہ متشابھا، خضرؑ اور الیاس، ہاروت وماروت اور نادِ علی وغیرہ ان کے فکری میلان اور اسلامی تہذیبی ومذہبی پس منظر کا ثبوت ہے۔

اجی دیکھو گے جب تم آرسی مصحف تو واں انشا پڑھے گا سورہ الحمد اور اخلاص کا جوڑا(۶۲)

انشا کی ایک غزل ص ۶۳، ۶۴، ۶۵ اور پھر ایک غزل صفحہ ۶۷ پر مکمل اسلامی تہذیبی، مذہبی اور تاریخی پس منظر رکھتی ہے۔ اس میں وہ اسلامی تاریخ ومذہب سے جن علائم و رموز کو مستعمل قرار دیتے ہیں ان میں ذی قعدہ، ذی الحج اور شوال اسلامی مہینے، اسی طرح ابن سعد، زرہ داؤدی، سادات، معاذاللہ، مصحف، سورہ الحمد (مراد یہاں سورۃ فاتحہ ہے)، لا یحب القاص، حضرت سعد بن ابی وقاص وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

انشا "لا الہ الا اللہ" کلمہ طیب کا پہلا حصہ بھی آگے چل کر ایک شعر کی زینت بناتے ہیں۔ اسی طرح اسلامی تاریخ ومذہب سے ماخوذ تلمیحیں اور استعارے وغیرہ بھی ان کے کلام کا حصہ بنے ہیں۔ مثلاً نورِ محمدیؐ اور اویس قرن وغیرہ اسلامی شہروں کا ذکر، اسلامی دنوں کے نام اور اسلامی معاشرت سے تلمیحاتی اشارے لانا مثلاً لیلیٰ مجنوں وغیرہ بھی اہم ہیں۔

کہوں بہ قید قسم لا الہ الا اللہ کہ تاب ہجر بس اب مجھ میں اے الہ نہیں(۶۳)

مذکورہ مباحث کا ماحصل یہ ہے کہ اس عہد کی غزل میں ایک طرف اسلامی تہذیب کا مذہبی وسماجی پس منظر اپنا جلوہ دکھا رہا ہے تو دوسری طرف ابتذال، عامیانہ پن اور سطحیت بھی نمایاں ہے۔ یہاں دہلوی شعرا کی طرح نشاط ووصل

یار کی کیفیات، جذب و کیف، ہجر و فراق کی لذتیں اور مجازی حسن و عشق کا روایتی رجحان پروان چڑھا۔ یہ عشق دیومالائی عناصر اور ماورائیت کا منبع نہیں بلکہ زمینی و فطری عشق ہے لیکن اس میں جسمانی لطف و تلذذ کا رنگ بہ نسبت دہلوی عہد غزل کے کہیں زیادہ ہے۔ وہ روحانیت نہیں جو دہلوی شعرا کا خاصا تھی۔ یہ ایک عام انسان کا سنجیدہ عشق ہے جس میں ابتذال اور بے راہ روی کا لطف ہے جو لکھنوی اسکول (دبستان) کی مخصوص تہذیب اور روایات کا آئینہ دار ہے۔

لکھنوی مسلم تہذیب و ثقافت دلی کی اسلامی تہذیب کا چربہ تھی مگر وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ اس میں احساسِ تفاخر، خواہش نفس، احتیاج، لذت پرستی، خارجی حُسن، ظواہر پرستی اور تکلف و تصنع نے اپنے ڈیرے ڈال لیے جس کے اثرات اُردو غزل گو شعرا پر بھی مرتسم ہوئے۔ لہٰذا میر حسن، آرزو، آتش، انشا، جرأت اور مصحفی وغیرہ جو اپنے ساتھ دہلی کی اسلامی تہذیبی و تمدنی روایات لائے تھے ان کے مزاج پر بالآخر لکھنویت کا رنگ چڑھ گیا مگر کچھ شعرا ایسے بھی تھے جنھوں نے اعتدال کی راہ اختیار کی، دہلوی و لکھنوی دونوں اندازِ فکر کو قائم رکھا، اسلامی تہذیبی اقدار اور سابق روایاتِ زندگی ان کی غزل کا حصہ بنیں۔ انھوں نے اپنے کلام میں اُردو غزل کے فطری حسن، اس کی تہذیبی و ادبی روایت، اس کے سیاسی و سماجی اور تہذیبی و فکری پس منظر کو برقرار رکھا۔ اُردو شاعری کے مسلم الثبوت استاد اور بالترتیب مصحفی اور آتش ان کے شاگرد کے ہاں لکھنوی اُردو غزل میں عرفان و آگہی، رفعت و تقدس اور پاکیزہ مضامین کی کمی نہیں۔ ان کے علاوہ جرأت اور رنگین نے بھی اسلامی تہذیب کے تقدس کو برقرار رکھا مگر کہیں کہیں ان کے ہاں اُردو غزل چھیڑ چھاڑ، ظرافت، شوخی، چلبلاپن اور بوس و کنار کا نمونہ معلوم ہوتی ہے۔

حوالہ جات

(۱) سعد اللہ کلیم، ڈاکٹر : اُردو غزل کی تہذیبی و فکری بنیادیں، لاہور : الوقار پبلی کیشنز، ۲۰۰۵ء، جلد دوم، ص ۵۶۶۔

(۲) انور سدید، ڈاکٹر : اُردو ادب کی مختصر تاریخ، لاہور : عزیز بک ڈپو، ۱۹۹۸ء، ص ۱۸۲۔

(۳) آتش، خواجہ حیدر علی : کلیاتِ آتش، لاہور : الوقار پبلی کیشنز، سنہ اشاعت ندارد، جلد دوم، ص ۸۴۶۔

(۴) ایضاً، ص ۷۶۸۔

(۵) آتش، خواجہ حیدر علی : کلیاتِ آتش، لاہور : الوقار پبلی کیشنز، سنہ اشاعت ندارد، جلد دوم، ص ۸۱۵۔

(۶) ایضاً، ص ۸۴۱۔

(۷) ایضاً، ص ۸۸۱، ۸۸۲۔

(۸) آتش،خواجہ حیدرعلی :کلیاتِ آتش،مرتبہ شمیلہ ستار،لاہور :الوقار پبلی کیشنز،سنہ اشاعت ندارد، جلد دوم،ص ۸۴۰۔

(۹) گوپی چند نارنگ،ڈاکٹر :اُردو غزل اور ہندستانی ذہن وتہذیب، دہلی :قومی کونسل برائے فروغ اُردو زبان، ۲۰۰۲ء، ص ۱۴۱۔

(۱۰) آتش،خواجہ حیدرعلی :کلیاتِ آتش،مرتبہ شمیلہ ستار،لاہور :الوقار پبلی کیشنز،سنہ اشاعت ندارد، جلد دوم،ص ۷۰۸۔

(۱۱) ایضاً،ص ۷۰۸۔

(۱۲) ناسخ،امام بخش :کلیاتِ ناسخ،ترتیب وتحشیہ یونس جاوید،لاہور :مجلس ترقی ادب،طبع اول،اپریل ۱۹۸۷ء،جلد سوم،ص ۳۔

(۱۳) ایضاً،ص ۴۔

(۱۴) ایضاً،ص ۷۵۔

(۱۵) سعداللہ کلیم،ڈاکٹر :اُردو غزل کی تہذیبی وفکری بنیادیں،لاہور :الوقار پبلی کیشنز،۲۰۰۵ء،جلد دوم،ص ۶۱۱۔

"ناسخ کے دیوان میں موجود سات ہزار اشعار میں کم وبیش پونے دوسو اشعار حضرت علیؑ،اہل بیت رسول ائمہ اور اصحابِ کربلائے معلیٰ سے متعلق ہیں۔"

(۱۶) ناسخ، امام بخش :کلیاتِ ناسخ،ترتیب وتحشیہ یونس جاوید،لاہور : مجلس ترقی ادب،طبع اول،اپریل ۱۹۸۷ء، جلد سوم، ص ۲۳۹۔

(۱۷) ایضاً،ص ۴۱۔

(۱۸) ایضاً،ص ۵۰۔

(۱۹) ایضاً،ص ۷۰۔

(۲۰) ایضاً،ص ۲۷۱۔

(۲۱) ایضاً،ص ۱۷۶۔

(۲۲) ایضاً،ص ۲۵۵۔

(۲۳) سعداللہ کلیم،ڈاکٹر :اُردو غزل کی تہذیبی وفکری بنیادیں،لاہور :الوقار پبلی کیشنز،۲۰۰۵ء،جلد دوم،ص ۴۵۹۔

(۲۴) مصحفی،غلام ہمدانی،کلیاتِ مصحفی،مرتبہ ڈاکٹر نورالحسن نقوی،لاہور : مجلس ترقی ادب،۱۹۶۸ء/ ۱۹۶۹ء،دیوان دوم،ص ۳۰۲۔

(۲۵) ایضاً،دیوان دوم، ص ۱۴۱۔

(۲۶) ایضاً،دیوان چہارم،ص ۴۷۱۔

(۲۷) ایضاً،دیوان دوم، ص ۱۴۔

(۲۸) ایضاً،دیوان چہارم، ص ۳۵۵۔

(۲۹) مصحفی،غلام ہمدانی،کلیاتِ مصحفی،مرتبہ ڈاکٹر نورالحسن نقوی،لاہور : مجلس ترقی ادب،۱۹۶۸ء/ ۱۹۶۹ء،دیوان دوم،ص ۷۔

(۳۰) ایضاً، دیوان چہارم، ص ۴۰۴۔

(۳۱) گوپی چند نارنگ، ڈاکٹر :اُردو غزل اور ہندستانی ذہن وتہذیب، دہلی :قومی کونسل برائے فروغ اُردو زبان، ۲۰۰۲ء، ص ۱۹۸۔

(۳۲) مصحفی، غلام ہمدانی، کلیاتِ مصحفی، مرتبہ ڈاکٹر نورالحسن نقوی، لاہور : مجلس ترقی ادب، ۱۹۶۸ء/ ۱۹۶۹ء، دیوان چہارم، ص ۳۹۷۔

(۳۳) سعداللہ کلیم، ڈاکٹر : اُردو غزل کی تہذیبی وفکری بنیادیں، لاہور :الوقار پبلی کیشنز، ۲۰۰۵ء، جلد دوم، ص ۴۷۳۔

(۳۴) جرأت، شیخ قلندر بخش :کلیاتِ جرأت، مرتبہ اقتدا حسین ڈاکٹر، لاہور : مجلس ترقی ادب، ۱۹۶۸ء، ص ۳۔

(۳۵) ایضاً ص ۳۔

(۳۶) ایضاً ص ۴۔

(۳۷) ایضاً ص ۱۶۳۔

(۳۸) ایضاً ص ۱۶۳۔

(۳۹) ایضاً ص ۴۵۷۔

(۴۰) ایضاً ص ۳۱۶۔

(۴۱) سعداللہ کلیم، ڈاکٹر :اُردو غزل کی تہذیبی وفکری بنیادیں، لاہور :الوقار پبلی کیشنز، ۲۰۰۵ء، جلد دوم، ص ۵۰۳۔ سعداللہ کلیم انھیں حسینی سید اور حضرت جعفرؓ سے نسبتِ خاص عقیدہ اثنا عشریت کے پیروکار اور مذہبی حوالے سے وسیع النظر اور آزاد خیال قرار دیتے ہیں۔ اشعار کے چند مصرعے ملاحظہ کیجیے:

طفیل چہرہ نورانی رسول اللہ

بہ سوز سینۂ خیر النسا شفیعۂ خلق

مجھے آئمہ اثنا عشری کے واسطے بخش

بہ روح حیدر صیدر مجھے نہ کر محتاج

علی الخصوص برائے حسین ابن علی

----

(۴۲)　انشا، انشاء اللہ خان　: کلیاتِ انشا، مرتبہ خلیل الرحمٰن داوٗدی، لاہور　: مجلس ترقی ادب، طبع اول، جولائی ۱۹۶۹ء، جلد اول، ص ۱۲۸۔

(۴۳)　ایضاً، جلد اول، ص ۱۳۰۔

(۴۴)　ایضاً، جلد اول، ص ۱۳۰۔

(۴۵)　ایضاً، جلد اول، ص ۱۳۲۔

(۴۶)　ایضاً، جلد اول، ص ۱۳۳۔

(۴۷)　ایضاً، جلد اول، ص ۱۰۵۔

(۴۸)　ایضاً، جلد اول، ص ۳۳۵۔

(۴۹)　ایضاً، جلد اول، ص ۳۲۷۔

(۵۰)　ایضاً، جلد اول ص ۵۹۔

(۵۱)　ایضاً، جلد اول، ص ۱۲۴۔

(۵۲)　ایضاً، جلد اول، ص ۱۵۰۔

(۵۳)　ایضاً، جلد اول، ص ۴۶۰۔

(۵۴)　ایضاً، جلد اول، ص ۴۶۰۔

(۵۵)　ایضاً، جلد اول، ص ۴۷۔

(۵۶)　ایضاً، جلد اول، ص ۴۷۔

(۵۷)　ایضاً، جلد اول، ص ۴۷۔

(۵۸)　ایضاً، جلد اول، ص ۵۳۔

(۵۹)　ایضاً، جلد اول، ص ۶۸۔

(۶۰)　ایضاً، جلد اول، ص ۷۰۔

(۶۱)　ایضاً، جلد اول، ص ۵۹۔

(۶۲)　ایضاً، جلد اول، ص ۶۷۔

(۶۳)　ایضاً، جلد اول، ص ۲۸۷۔

***

اقبال کی شاعری میں اُردو داستانی اخلاقی اقدار

* ڈاکٹر ثمینہ سیف

The traces of moral values of Urdu Dastan in Iqbal's poetry

Dr. Samina Saif

There are striking similarities between the concept of moral values in Urdu Dastan and Fiqr-e-Iqbal to an amazing extent. There is a clear and comprehensive system of morality in the context of human nature and personality in which love prevails over intellect, love teaches etiquette of self-awareness, action is the supreme force by which individual and collective ambitions are achieved. A new interpretation for revitalization of life is presented through the philosophy of selfhood and self-realization. Respect for humanity is considered to be the highest duty while good and evil come face to face in such a way that a new understanding of life and living is gained. There are various similar examples in Urdu Dastani literature and Fiqr-e-Iqbal that cover human morality and social civilization in a better way. The attraction of life lies in good deeds and constant effort.

Key words: Urdu Dastan, Fiqr-e-Iqbal, Moral values, Humanity, Similarities

خلاصہ : اُردو داستانی ادب اور فکرِ اقبال میں اخلاقی اقدار کے تصور کے حوالے سے حیرت انگیز حد تک مشابہتیں موجود ہیں۔ یہاں انسانی سیرت اور شخصیت کی ضمن میں اخلاق کا ایک واضح اور جامع نظام موجود ہے جس میں عشق کو عقل پر برتری حاصل ہے، عشق آداب خود آگاہی سکھاتا ہے، عمل پذیری وہ اعلیٰ وارفع قوت ہے جس سے انفرادی و اجتماعی عزائم حاصل ہوتے ہیں، خودی

* اسسٹنٹ پروفیسر، شعبۂ اُردو، گورنمنٹ پوسٹ گریجوایٹ کالج برائے خواتین سمن آباد، لاہور

سے تجدیدِ حیات کی نئی تفسیر پیش کی جاتی ہے، احترامِ آدمیت کو سب سے بلند تر فریضہ سمجھا جاتا ہے اور خیر وشر یوں آمنے سامنے آتے ہیں کہ حیات اور طرزِ حیات کو دیکھنے اور پرکھنے کا نیا ادراک حاصل ہوتا ہے۔لہٰذا اُردو داستانی ادب اور فکرِ اقبال میں متعدد مماثل مثالیں موجود ہیں جو انسانی اخلاق اور سماجی تہذیب کا بہتر انداز میں احاطہ کرتی ہیں، یہاں زندگی کی جاذبیت خیرِ مطلق اور عملِ پیہم میں پوشیدہ ہے۔

کلیدی الفاظ : اُردو داستان، فکرِ اقبال، اخلاقی اقدار، احترامِ آدمیت، مماثلتیں۔

انیسویں صدی میں ہندوستان میں بسنے والوں کو یہ احساس دلایا گیا کہ ان کا ادب اور بالخصوص داستانی ادب ناکارہ، کم ارز اور زوال یافتہ ہے۔ درحقیقت انگریزوں کے تعلیمی اور تہذیبی ایجنڈے میں یہ اصول سرِفہرست تھا کہ مسلمان قوم خود ہی اپنی تہذیبی میراث کو باعثِ شرم وعار سمجھیں اور اس ایجنڈے میں وہ خاطرخواہ کامیاب بھی ہوئے۔تاریخ گواہ ہے کہ محکوم قوم حاکم قوم کی پیروی کے لیے تمام شعبہ حیات میں نفسیاتی طور پر خود کو مجبور پاتی ہے۔ برصغیر پاک و ہند میں انگریز نے اپنے اقتدار کی توسیع کے لیے اپنے سیاسی، سماجی، مذہبی، تعلیمی اور معاشی منصوبوں کو محکوم کے لیے خیرخواہی کے لبادے میں لپیٹ کر پیش کیا۔نتیجتاً محکوم قوم یعنی اہلِ ہند نے کائنات، اشیا اور ادب وسماج کے مطالعے میں انگریز قوم کے زاویہ ہائے نظر پر عمل کرنا دانشمندی قرار دیا۔اس رجحان کے تحت قدیم اصناف کا ادبی اور تہذیبی پس منظر رفتہ رفتہ اوجھل ہونے لگا۔اس پس منظر میں داستانی متون سے بے تعلقی عجیب نہ تھی،اسے زوال پذیر ادب قرار دے کر رد کیا گیا۔ یوں قصہ گوئی کا وہ سلسلہ جس میں خالصتاً ہماری قومی، تہذیبی، ثقافتی اور معاشرتی زندگی کے مختلف سانچے پوشیدہ تھے اعتراضات کی زد میں آ گیا۔اُردو داستانی ادب نے مختلف تہذیبوں سے خوشہ چینی کی ہے لیکن سب سے گہرا اور پائدار اثر فارسی کی صورت میں ایرانی واسلامی تہذیب کا ہے،علاوہ ازیں عربی اور ہندی تہذیبوں کی جلوہ افروزیاں بھی موجود ہیں۔ اُردو داستانی ادب ہماری اس تہذیب وتمدن کا اشاریہ ہے جن سے ہمارا رشتہ آج بھی قائم ہے۔ داستانی تخیل میں ہمارا سابقہ اپنی تہذیب کی فکری روایات سے ہوتا ہے۔

یہ درست ہے کہ داستانوں میں حسن وعشق، جرأت ومردانگی، کرم وایثار،نفرت ومحبت اور خیر وشر کے مختلف پہلوؤں میں مثالی دُنیا کی جھلکیاں ملتی ہیں مگر یہاں تمام کہانیوں کے موجِ تہہ نشین میں داستان گوؤں نے اپنے تخیلاتی اذہان سے بامقصد سماج اور بامراد زندگی گزارنے کے لیے اخلاقی حوالوں کو تمام پہلوؤں پر ترجیح دی ہے۔ بیشتر

داستانیں اپنے نہاں خانوں میں اخلاقیات کا پرچار کرتی دکھائی دیتی ہیں، جن سے ہم بامقصد زندگی گزارنے کے مکمل اصول وضوابط اخذ کر سکتے ہیں۔ یہاں مہمات سر کرنے کے لیے سخت ہفت خواں، خودی اور ضبط کے مراحل، عشق کی منازل اور تربیت نفس کے مدارج طے کرنے کے بعد کامرانی اور بامرادی حاصل ہوتی ہے۔ داستانی ہیروؤں کی زندگیوں میں رفعت، عظمت، محبت، کرم، ایثار، شجاعت، ہمت، جواں مردی اور رحم دلی جیسی اعلیٰ صفات مجتمع ہیں۔

غرض یہ کہ اخلاقیات داستانی ادب کا جزو لاینفک ہے، علاوہ ازیں یہ داستانوں کا آخری پہلو بھی اور پہلا بھی۔ ہر قوم، ہر مذہب اور ہر زمانے میں اخلاق پر زور دیا گیا ہے۔ روحانی، دماغی، مادی، انفرادی اور اجتماعی غرض کسی قسم کی ترقی بھی اعلیٰ اخلاقی نظام کے بغیر ناممکن ہے۔ بلاشبہ انسانی سماج اور طرز زیست کی بلندی اخلاق کی بنیادوں پر استوار ہے اور اخلاق کے اصولوں پر کاربند رہتے ہوئے انسانیت شاہراہِ ترقی پر گامزن رہ سکتی ہے۔ فکر اقبال اور داستانی ادب میں انسانی زندگی کے لازمی اور غیر معمولی اخلاقی پہلوؤں میں خاصی مماثلت موجود ہے۔

ڈاکٹر علامہ محمد اقبال عہد جدید میں مشرق کی فکری دُنیا کے وہ عظیم انسان ہیں جن کے افکار میں نہ صرف فلسفہ انسانیت اور تصور اخلاق کی معنویت عدیم المثال ہے بلکہ ان کا پیغام عالمگیر معنویت کا حامل بھی ہے۔ ان کا فلسفہ اخلاق بالواسطہ اسلام کے آفاقی تصورات کا ترجمان اور اس سے وابستہ اقدار حیات کی تشریح وتفہیم سے عبارت ہے۔ اخلاق کے حوالے سے علامہ اقبال کے افکار میں اتنی وسعت وثروت اور اتنا تنوع موجود ہے کہ ان کے تفکرات نہ صرف مشرق بلکہ مغرب کے سہ ہزار سالہ اخلاقی فکر کے وارث ہیں۔ فکر اقبال اور اُردو داستانی ادب میں دل و دماغ کو مسحور کرنے کی بھرپور صلاحیت موجود ہے، ان کی تاثیر کا ایک مماثل رُخ اخلاقی بھی ہے جس کا مطالعہ کرنے سے ہمارے اندر غیر شعوری طور پر نیکی، خیر اور اصلاح کا جذبہ ابھرتا ہے۔ مزید بریں فکر اقبال اور داستانی ادب میں ایک مربوط اخلاقی نظام فکر کی ایسی عمارت موجود ہے جس کی بنیاد پر انسانی زندگی کی بنیاد رکھی جا سکتی ہے۔ اس میں ہرگز دو رائے نہیں ہے کہ علامہ اقبال اور داستانی ادب کی فکر کا محور ومرکز اور توانا موضوع انسان کی اصلاح وفلاح ہی ہے۔

فکر اقبال اور داستانوں کے عہد میں بھی حیرت انگیز حد تک مماثلت موجود ہے۔ جس طرح علامہ اقبال کا دور جامد اور انحطاط پذیر تھا ویسے ہی اُردو داستانی ادب ایک بے عمل اور آرام طلب سوسائٹی کی پیداوار ہے لیکن اس کے باوجود یہ عمل اور زندگی کی حرارت سے بھرپور ہیں۔ فکر اقبال اور داستانی ادب میں کہیں بھی ٹھہراؤ اور ثبات نہیں ہے، ہر جگہ تغیر اور انقلاب ہے، مہمیز شوق ہر بلا کو برداشت کرا دیتی ہے، راہ مقصود خطروں سے پُر ہے مگر کوئی زنجیر مانع نوردی

نہیں ہے اور عشق آتش نمرود میں بے خطر کود پڑتا ہے۔ یہاں سختی حیات کے باوجود جانبازی کی امنگ موجود ہے اور مشکلات کا راز ان سے مقابلہ کرنے میں ہے۔ علامہ اقبال کے یہ اشعار داستانوں کی صحیح معنوں میں وضاحت کرتے ہیں۔

فریب نظر ہے سکون و ثبات تڑپتا ہے ہر ذرّہ کائنات ۱
ایک صورت پر نہیں رہتا کسی شے کو قرار ذوق جدت سے ہے ترکیب مزاج روزگار ۲

ادبیات اُردو میں داستانی ادب کو یہ اختصاص حاصل ہے کہ یہاں کہانیوں کے پردے میں اخلاق ونصائح کی باتیں کی گئی ہیں اور زندگی کی بڑی حقیقتوں کو علامتی رموز سے سمجھایا گیا ہے۔ اُردو داستان گو انسانی سیرت اور شخصیت کے مختلف پہلوؤں کو بڑی خوبصورتی اور جامع انداز سے احاطہ تحریر میں لائے ہیں۔ یہ امر قابل غور ہے کہ اخلاقی تصورات کو پیش کرنے کے حوالے سے داستانی ادب اور فکر اقبال میں اصطلاحات اور معنی کی ایک وسیع دُنیا آباد ہے، ہر علامت میں تہہ در تہہ احساسات موجود ہیں۔ شمیم احمد کا خیال ہے کہ عموماً اعلیٰ ترین تخلیقات میں تخیلی عناصر کی کارفرمائی بہت زیادہ ہوتی ہے۔ اصطلاحوں اور معنی سے ہماری یہ بے خبری اور نا آشنائی ہمیں اپنی اجتماعی اور تہذیبی روح سے بہت دور لے جا چکی ہے۔ تخیل کبھی خلا میں پیدا نہیں ہوتا ہے بلکہ اس کی جڑیں اس حقیقت میں پیوست ہوتی ہیں جو سمٹ کر ایک علامت یا کنایہ کہلاتا ہے۔ شمیم احمد اس خیال کے داعی ہیں کہ عظیم فن پارہ وہی ہے جس میں تخیل کے وسیع امکانات موجود ہوں، نیز اس ضمن میں وہ یہ موقف اختیار کرتے ہیں:

> ”فردوسیؔ سے اقبال تک آپ کو بڑی شاعری تخیلی قوت اور اس کی علامات میں نظر آئے گی۔ اُردو شاعری کا زوال کا سبب قوت تخیل کا کمزور پڑنا ہے۔۔۔۔جن ذہنوں میں تخیل کی قوت سب سے زیادہ ہوتی ہے وہی تخلیقی کارنامے انجام دیا کرتے ہیں۔ بڑی علامتیں اس وقت تخلیق ہوتی ہیں جب دماغوں میں اعلیٰ ترین تخیل کروٹ لے رہا ہے۔ تخیل سے عاری ذہن علامتیں تخلیق ہی نہیں کر پاتے اور کمزور تخیل کے حامل اذہان کمزور اور بے تہہ علامتیں وضع کرتے ہیں جو ان کی تخیل کی بے بصری کی طرح چند سالوں میں دم توڑ دیتی ہے۔“۳

شمیم احمد کا یہ موقف ہے کہ داستانی ادب اور علامہ اقبال کی شاعری اصطلاحات اور اپنی تہہ داری کی بنا پر وسیع، لامحدود اور آفاقیت سے ہم کنار ہیں۔ مزید بریں ہم داستانی ادب اور فکر اقبال میں موجود اخلاقی اقدار کے تصورات سے

نفسیات اور علم النفس کے بنیادی اور اعلیٰ اصول اخذ کر سکتے ہیں ۔

اگر ہم اُردو داستانی ادب کے وقیع سرمائے پر اچٹتی سی نظر ڈالیں تو ''سب رس'' (۱۶۳۵ء/ ۱۰۴۵ھ) اُردو کی پہلی تمثیلی داستان میں اخلاقی حوالوں سے انسانی قدروں کا تنوع موجود ہے۔ یہاں اوصاف کو مجسم خوبیاں دے کر انسانی و اخلاقی اقدار کو وسیع اور عالمگیر علامتی حیثیت دی گئی ہے۔ یہاں عقل، دل، حسن، عشق، نظر اور دیدار کے کردار محض ذہنی قلابازیوں کے لیے نہیں تخلیق کیے گئے ہیں بلکہ ان کے اندر گہری معنویت پوشیدہ ہے۔ مُلا وجہی نے ''سب رس'' میں عشق کو عقل پر فوقیت دی ہے۔ اقبال کے ہاں بھی عشق کی عقل پر برتری اور حکمرانی ہے اور عشق خود آگاہی سکھا کر بادشاہی کے منصب پر فائز کرواتا ہے، تسخیر کائنات میں انسان کی مدد کرتا ہے، فکر و نظر میں بلندی پیدا کرتا ہے، شوق و یقین کو جلا دیتا ہے اور اپنی جرأت رندانہ سے آتش نمرود میں بھی بے خطر کود پڑتا ہے۔

اُردو داستانی ادب کے اندرون میں جھانکنے اور فکر اقبال میں غوطہ خوری کرنے سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ یہاں اخلاق و اقدار کا انحصار عمل پذیری پر ہے جس سے اعلیٰ و ارفع اور انفرادی و اجتماعی عزائم حاصل ہوتے ہیں۔ انسانی عزائم کی بنیاد جذبات پر ہے، نیز بزم حیات اور رزم کائنات کی ہنگامہ آرائیوں کے لیے جذبات ہی شرط اوّل ہے اور یہ عقلی استدلال کی گرفت سے باہر ہیں۔ اسی لیے تو اقبال نے فرمایا ہے کہ:

عشق کی ایک جست نے طے کر دیا قصہ تمام　　　اس زمین و آسماں کو بیکراں سمجھا تھا میں ۴

فکر اقبال اور داستانی ادب میں عشق حرکت و عمل کا محرک ہے۔ ''داستانِ امیر حمزہ'' میں عشق کی صفات یوں درج ہیں:

عشق ہے تازہ کار و تازہ خیال　　　ہر جگہ اس کی نئی ہے چال
کہیں آنسو کی یہ سرایت ہے　　　کہیں یہ خوں چکاں حکایت ہے
کہیں طالب ہوا کہیں مطلوب　　　اس کی باتیں عرض ہیں دونوں خوب ۵

علامہ اقبال کے ایوان شاعری میں خودی ایک ایسا تصور ہے جو انھیں زندۂ جاوید رکھے گا۔ بلاشبہ فکر اقبال میں خودی کے حوالے سے اطاعت، ضبط نفس اور نیابت الٰہی کی صدائے بازگشت ابد تک اخلاق و اعمال کے حوالے سے بنی نوع انسان کے لیے مشعل راہ بنی رہے گی۔ اُردو داستانی ادب میں حاتم طائی ۶ کی شخصیت ایسی ہے جو علامہ اقبال کی خودی کے مراحل پر پوری اترتی ہے، وہ اپنے انداز عمل سے تجدید حیات کی نئی تفسیر پیش کرتا ہے۔ حاتم طائی کی ذات

علامہ اقبال کے ان درج ذیل اشعار کی تشریح ہے۔

قہاری و غفاری و قدوسی و جبروت
یہ چار عناصر ہوں تو بنتا ہے مسلمان ۷

تو رازِ کن فکاں ہے اپنی آنکھوں پر عیاں ہو جا
خودی کا رازداں ہو جا خدا کا ترجماں ہو جا ۸

یقیں محکم، عمل پیہم، محبت فاتحِ عالم
جہادِ زندگانی میں ہیں یہ مردوں کی شمشیریں ۹

ہر اک مقام سے آگے مقام ہے ترا
حیات، ذوقِ سفر کے سوا کچھ اور نہیں ۱۰

جن اخلاقی افکار وتصورات میں علامہ اقبال کا انسان کامل اور حاتم طائی کا اشتراک قابل توجہ ہے ان میں درج ذیل عناصر حیرت انگیز حد تک مشترک ہیں۔اوّل : مستحکم خودی، دوم : عمل وپیہم اور جدو جہد کا وہ تصور جو علامہ اقبال کے شاہین میں موجود ہے وہ حاتم کی ذات کا خاصہ ہے اور سوم : علامہ اقبال اخلاقی حوالوں سے جن صالح صفات و اعمال مثلاً قلب سلیم، صداقت، سخاوت، جرأت، محبت، فقر، ذوق ویقین، جلال و جمال اور رحم دلی کا ذکر کرتے ہیں یہ تمام اوصاف حاتم کی ذات میں بدرجہ اتم موجود ہیں۔علامہ اقبال کی نظر میں انسانیت کا احترام سب سے بلند تر فریضہ ہے۔ان کے نزدیک انسانیت کی وحدت معتبر ہے اور یہ وحدت انسانی برادری کی ہے جو نسل، قومیت، رنگ اور زبان سے بالاتر ہے۔اسی طرح اُردو ادب میں داستانی ادب میں جتنی متنوع مثالیں انسانیت کے احترام اور مذہبی دوئی کے خاتمے کی ملتی ہیں شاید ہی کسی اور صنف ادب میں موجود ہوں۔''باغ و بہار'' از میر امنؔ ''آرائشِ محفل'' از سید حیدر بخش حیدریؔ، ''مذہبِ عشق'' از نہال چند لاہوری، ''فسانہ عجائب'' از رجب علی بیگ سرورؔ میں انسانی محبت کو تمام مذاہب پر فوقیت دینے کی مثالیں جا بجا بکھری ہوئی ہیں۔

خدمت خلق کے لیے حاتم طائی اپنی جان کی پروا نہیں کرتا ہے۔ہمدردی کے حوالے سے ''باغ و بہار''۱۱ کا دوسرا درویش صحرا نوردی کرتا ہے۔تاج الملوک ۱۲ فراخ دلی کی مثال ہے جو دغاباز بھائیوں کو معاف کرتا ہے۔وزیر زادی نجم النساء ۱۳ دوستی کی بے نظیر مثال قائم کرتی ہے۔امیر حمزہ اور عمرو عیار ۱۴ مذہب کے لیے کن کن کٹھن مراحل سے گزرتے ہیں۔غرض کہاں تک مثالیں گنائی جائیں۔کوئی بھی داستان ایسی نہیں جس میں کہیں نہ کہیں ایثار، بلند ہمتی، انسان دوستی، اعلیٰ ظرفی، سخت کوشی، نیکی اور ایمان پسندی کا مظاہرہ نہ ہو۔اطہر پرویز نے اُردو داستانوں کو اعلیٰ اخلاقی اقدار واوصاف کی بھرپور نمائندگی کرنے کی بنا پر ''حسن، خیر اور صداقت'' ۱۵ کا بہترین مرقع جانا ہے داستانی متون کو دیکھ کر یہ احساس ہوتا ہے کہ یہاں معاشرتی سطح پر انفرادی اور اجتماعی اخلاقی خصائص کا ذخیرہ سپرد قلم ہوا ہے جس سے ہم نہ

صرف ماضی بل کہ حال میں بھی اقدار کی نوعیت جان سکتے ہیں۔ ان داستانوں میں انسان کی سیرت اور اخلاق کو جس شان اور شائستگی سے پیش کیا گیا ہے، وہ اپنی مثال آپ ہے۔ یہاں انفرادی و اجتماعی سطح پر خیر و شر اور نیکی و بدی یوں آمنے سامنے آتی ہیں کہ حیات اور طرز حیات کو دیکھنے اور پرکھنے کا نیا ادراک اور حوصلہ عطا ہوتا ہے، زندگی واضح طور پر نیکی اور بدی کے دو خانوں میں بٹی ہوئی نظر آتی ہے۔ اس ضمن میں گیان چند جین اس طور لکھتے ہیں:

> ''اُردو داستانیں تاثیر سے مملو ہیں۔ دل و دماغ دونوں کو مسحور کرتی ہیں۔ اس تاثیر کا ایک رُخ اخلاقی بھی ہے۔ داستان کو پڑھتے پڑھتے ہمارے اندر غیر شعوری طور پر انسانی ہمدردی پیدا ہو جاتی ہے۔۔۔۔ انسانی ہمدردی کے علاوہ ان افسانوں میں ایثار کی بھی ترغیب ہے۔ قصوں کے ہیرو عموماً شہزادے ہوتے ہیں۔ وہ چاہتے تو تمام عمر عیش و نشاط میں کاٹ دیتے۔ لیکن وہ بیٹھے بٹھائے سر پر بلائیں مول لیتے ہیں اور یہ ہمیشہ اپنے مفاد کی خاطر نہیں بلکہ بعض اوقات خدمت خلق کی غرض سے بھی۔ داستان کیا ہے، جانکاہ حادثات کا ایک سلسلہ ہے جسے ہیرو بیٹھے بٹھائے اپنے سر چمٹا لیتا ہے۔ عیش کو ٹھکرا دینا بلند ہمتی کا کام ہے۔ یہ ایثار سخت کوشی ہمیں متاثر کیے بغیر نہیں رہتی۔''۱۶

ہر تخلیقی فن پارہ اور ہر فنکار ابتدائی طور پر اپنے عہد، اپنی قوم اور اپنے ملک سے خطاب کرتا ہے لیکن ایک آفاقی فن پارہ اور ایک عظیم فنکار کے پیش نظر ساری نوع انسانی ہوتی ہے۔ ایسے ہی داستانی متون کے بحر زخار میں اخلاقی اقدار کا آفاقی تصور موجود ہے اور بلاشبہ علامہ اقبال بھی وہ عظیم اور آفاقی شاعر ہیں جن کے فن کا سرچشمہ انسان کی اخلاقی و روحانی حیات نو کا باعث ہے، اس میں ہرگز دو رائے نہیں ہے کہ علامہ اقبال:

> ''زندگی اور قوت کے شاعر ہیں۔ حرکت و ترقی کے شاعر ہیں۔ کوشش و کامرانی کے شاعر ہیں۔ ان کی شاعری حرکت و عمل، نشو و نمائے ذات، اثبات ذات، اظہار ذات، ارتقائے ذات اور تکمیل ذات کے لیے ایک جوشیلی دعوت کی حیثیت رکھتی ہے۔''۱۷

غرض یہ کہ اُردو داستانی ادب اور فکر اقبال میں اعلیٰ اور پسندیدہ انسانی و سماجی اخلاقی نظام کی ایک عظیم روایت اور ایک وسیع فکر موجزن ہے، یہاں وہ وسعت اور عظمت موجود ہے جو عصر حاضر کا مقدر نہیں ہے۔ ہمارا عہد تجارت، سیاست اور صحافت کا عہد ہے جہاں سچ سے آنکھ چرائی جاتی ہے اور منافقت کی زندگی گزاری جاتی ہے۔ ہمارا المیہ یہ ہے کہ ہمارے ادیبوں کے پاس اعلیٰ اخلاقی مثالیت کے حوالے سے داستانی ادب کے حاتم طائی اور علامہ اقبال

کے انسان کامل جیسا شجاعت، سخاوت، عدالت، تقویٰ اور فقر جیسی اعلیٰ صفات کا حامل نمونہ نہیں ہے کہ جس پر ہم فخر کرتے ہوئے اسے اعلیٰ انسانی اخلاق کا مرقع کہہ سکیں۔ جیسے جیسے ہمارے سماج میں انسانی اقدار کا خاتمہ ہو رہا ہے ویسے ویسے ہمارے ادیب تخلیقی تجربوں اور ان کے پس پشت گہرائی اور کثیر معنی بیانات سے دور ہوتے جا رہے ہیں۔

ملت اسلامیہ میں دورِ حاضر میں ایسا کوئی شاعر نہیں ہے جس کے افکار میں علامہ اقبال جیسی جامعیت ہو جو ماضی و حال اور شرق و غرب کا احاطہ کر سکے۔ یوں علامہ اقبال حکیم الامت، شاعر اسلام اور شاعر مشرق کے ساتھ ساتھ شاعر عالم بھی ہیں۔ اُردو داستانی ادب کا بین السطور غائر مطالعہ کرنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہاں زندگی کا تانا بانا جن اخلاقی تصورات کے گرد بنا ہوا ہے، وہی خیالات اقبال کی شاعری کے بنیادی اور لازمی اجزائے ترکیبی بھی ہیں۔ مزید برآں اقبال کی شاعری میں اخلاقی افکار کے حوالے سے داستانی ادب جیسی آفاقیت جھلکتی ہے۔ انفرادی و اجتماعی اخلاقی اقدار کی پیش کش کے حوالے سے اُردو ادب میں کوئی دوسری صنف اس اعتبار سے اتنی زیادہ مفید اور کارآمد نہیں جتنی داستانیں۔ یہاں رزم و بزم میں اولوالعزمی، بلند حوصلگی، جرأت و جسارت اور ایثار و ہمدردی کی کثیر مثالیں موجود ہیں جو انسانی اخلاق پر مثبت اثرات ڈالتے ہوئے داخلی و خارجی زندگی کی تہذیب و تادیب میں بنیادی کردار ادا کر سکتی ہیں۔ یوں اُردو داستانی ادب اور فکر اقبال میں اخلاقی حوالے سے بہت سی قدریں مشترک و مماثل ہیں جن میں خیر مطلق اور عمل پیہم کے خزینے پوشیدہ ہیں۔

حوالہ جات و حواشی

۱۔ علامہ اقبال، بالِ جبریل، لاہور: شیخ غلام علی سنز ناشران کتب کشمیری بازار، طبع نہم، نومبر ۱۹۵۴ء، ص ۱۷۱:

۲۔ علامہ اقبال، بانگِ درا، لاہور: پاکستان ٹائمز پریس، طبع پانزدہم، ۱۹۵۳ء، ص ۱۶۳:

۳۔ شمیم احمد، مضمون طلسم ہوش ربا کی علامتی اہمیت، مشمولہ نیا دور، شمارہ نمبر ۳۳۔ ۳۴، کراچی، ص ۳۱۲:

۴۔ علامہ اقبال، بالِ جبریل، ص ۱۴:

۵۔ تصدق حسین از آغاز داستان (داستان امیر حمزہ) بحوالہ ہماری داستانیں از سید وقار عظیم، لاہور: الوقار پبلی کیشنز، ۲۰۱۵ء، ص ۱۹۶:

۶۔ حاتم طائی مشرقی روایت کا سب سے بڑا غنی اور سخی ہے جو ''آرائش محفل'' کا ہیرو ہے۔ ''آرائش محفل'' کو حیدر بخش حیدریؔ نے فورٹ ولیم کالج کے تحت ۱۸۰۱ء/ ۱۲۱۶ھ میں فارسی سے ترجمہ کیا۔

۷۔ علامہ اقبال، بانگِ درا، ص ۳۰۲:

۸۔ ایضاً،ص ۳۱۱ :

۹۔ ایضاً،ص ۳۱۰ :

۱۰۔ علامہ اقبال، بالِ جبریل،ص ۷۰ :

۱۱۔ ''باغ و بہار''(۱۸۰۲ء/ ۱۲۱۷ھ)از میر امنؔ اُردو کی وہ مشہور و معروف داستان ہے جو محمد حسین عطا خاں تحسین کی فارسی تصنیف ''نوطرز مرصع'' کا ترجمہ ہے۔ یہ داستان فورٹ ولیم کالج میں ترجمہ کی گئی تھی۔

۱۲۔ تاج الملوک ''گلزار نسیم'' کا ہیرو ہے۔ ''گلزار نسیم'' کو اُردو منظوم داستانی ادب میں شہرت عام اور بقائے دوام حاصل ہے۔ یہ داستان پنڈت دیا شنکر نسیمؔ نے ۳۹ء۔ ۱۸۳۸ء/ ۱۲۵۴ھ میں نظم کی، ان سے قبل نہال چند لاہوری ''مذہبِ عشق'' کے نام سے یہ داستان فورٹ ولیم کالج کے لیے نثری صورت میں تحریر کر چکے تھے۔ اُردو ادب میں یہ داستان ''قصہ گل بکاؤلی'' کے نام سے مشہور ہے۔

۱۳۔ وزیر زادی نجم النساء اُردو منظوم داستان ''سحر البیان'' کا متحرک اور باعمل کردار ہے۔ ''سحر البیان'' کو میر حسنؔ نے ۸۶ء۔ ۱۷۸۵ء/ ۱۱۹۹ھ میں مثنوی کی ہیئت میں نظم کیا۔

۱۴۔ امیر حمزہ اور عمر و عیار ''داستانِ امیر حمزہ'' کے مرکزی کردار ہیں۔ یہ طویل داستان ۴۶ جلدوں میں نولکشور پریس کے تحت ۱۸۹۳ء سے ۱۹۱۸ء تک چھپتی رہی۔

۱۵۔ اطہر پرویز، داستان کا فن، علی گڑھ : اُردو گھر، ۲۰۱۰ء،ص ۲۰۵ :

۱۶۔ گیان چند جین، اُردو کی نثری داستانیں، کراچی : انجمن ترقی اُردو پاکستان، اشاعت سوم، ۲۰۱۴ء،ص ۹۰ :

۱۷۔ محمد شمس الدین صدیقی، اقبال اور جہاں امروز، مشمولہ اقبال ۸۶ ئ، مرتبہ : ڈاکٹر وحید عشرت، لاہور : اقبال اکادمی پاکستان، طبع اوّل، ۱۹۹۰ء،ص ۲۶۰ :

***

مثنوی ”گلزارِ نسیم“ میں فارسی مرکباتِ ناقص

*غلام یاسین **ڈاکٹر گلشن طارق

Muslim Civilization and Culture in Lucknowi Urdu Ghazal(Classical Period)

Ghulam Yasin/ Dr.Gulshan Tariq

Masnavi"Gulzar e Naseem" is a famous poem of Pandit Diya Shankar Naseem. In Urdu, this type of poem is called"Masnavi".Masnavi"Gulzar e Naseem" is not lengthy but to short and that's the main quality of the Masnavi although it has so many poetic qualities in it. It contains the culture and civilization of Nawaab Asifuddaula's Lakhnaw or Awadh dynasty. Masnavi based on a long story which is called"Daastan" in Urdu.The story of the masnavi is not original but borrowed. This article is a research study of Masculine noun. Masculie noun means; a word or form of a word that belongs to the masculine group of nouns, pronouns, or adjectives. Masavi"Gulzar e Naseem has several Masculine nouns. As a result of this research article we found that in the Masnavi, there are 632 masculine nouns approximately and any single page is not without masculine nouns

گلزارِنسیم،رنگِ نرد،صاحبِ جاہ،مارِآستیں، مانندِ چراغ،نقارۂ در،گلزارِارم،نقشِ پاے خامہ، دامن دشتِ شوق،صحراے عدم،مرغانِ ہوا،نقشِ کفِ پا،ریگِ ماہی،ریگِ رواں،گلزارِارم،ریگِ زمیں،دختِ آدم،پیراہن گل،حالِ یعقوب، دردِلادوا،باغِ ارم،حاجتِ نقب،صحنِ چمن ارم،ایوانِ بکاولی، آئنہ دارِبام و در،رشکِ جامِ جہاں نما،خواب گہہِ بکاولی،

* پی ایچ ڈی اسکالر،لاہور گریژن یونیورسٹی،لاہور ** ڈین فیکلٹی آف لینگویجز لاہور گریژن یونیورسٹی،لاہور

ساعدِ حور، مژ گانِ چشمِ مخمور، چشمِ نرگسی ، مہرِ خطِ عاشقی، نقبِ افق، مثل دستِ بیضا، بلبلِ خامہ، غنچۂ صبح، سبزۂ باغِ خواب آرام، صورتِ بید، چشمِ حوض ، بادِ صبا، مثل باد، گلشن مدعا، دیوِ سیاہ، شب گل گشتِ چمن گل آرزو ، رشکِ شمشاد، قیدِ فرنگ، ہوسِ گل، رشکِ شمشاد، زرِ گل، چشمِ کور، غولِ گمراہ، حسرتِ گل تر، علاجِ نور، چراغِ طور، نورِ دیدہ، چشمِ آرزو، خورشیدِ بصر، شاخِ قلم، ابن فیروز، گلزارِ جواہریں، صنّاعِ طلسم، دختِ رز، مادرِ پیر، گلشن نگاریں، خلاصۂ دہر، ریگِ رواں، خواہرِ مہرباں، فسردہ دل، بدنگاہی، چشمِ کور، غولِ گمراہ، وزیرِ معقول، حسین آدمی، دیونی قوی بال، ایوانِ جواہریں، خواصِ نازک اندام، حمدِ حق ومدحتِ پیمبر، مال وزر، اسپ وجامہ وزر، چشم وچراغ، نقد وجنس، عجز وزاری، تگ ودَو، ضبط وحیا، گل وچمن ، شام وسحر، الماس وعقیق ولعل ویاقوت، نیرنگ وفسوں، دختر وزوج، مہ ومہر، معدنِ لعل وکانِ یاقوت، رُو بہ راہ، بہ صد تامّل، گل بہ داماں، پابہ زنجیر، بہ آہ وزاری، بہ دل، تابہ پاسنگ، پیش از دم۔

مرکب یا کلام:

''مرکب'' کے لغوی معنی ہیں:

''مرکب۔(ع)صفت۔ترکیب دیا گیا۔کئی چیزوں سے مل کر بنا ہوا۔مرکب کرنا۔کئی چیزوں کو ملادینا۔مرکبات۔(ع)مذکر۔مرکب کی جمع ملی ہوئی دوائیں۔''(۱)

مرکب کے اصطلاحی معانی پر غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ دو یا دو سے زیادہ بامعنی الفاظ کو مرکب یا کلام کہا جاتا ہے۔

اس ضمن میں ڈاکٹر سہیل عباس بلوچ رقم طراز ہیں:

''کلام کی دو قسمیں ہیں (ناقص)(۲) تام

کلامِ ناقص یا مرکب ناقص یا کلام غیر تام: وہ مرکب ہے جس سے سننے والے کو پورا فائدہ حاصل نہ ہو۔یعنی خاطر جمع نہ ہو۔ جیسے فہد کی کتاب۔احمد کا سبق۔سفید کپڑا۔۔۔

کلام تام: وہ مرکب ہے جس کے سننے سے پورا فائدہ ہو یعنی اسے معلوم ہوجائے کہ کہنے والا کیا خبر دیتا ہے یا کیا کہتا ہے۔کلامِ تام کو مرکب تام یا مرکبِ مفید یا جملہ بھی کہتے ہیں۔جیسے فہد نے سبق پڑھا۔تم یہاں آؤ۔''(۲)

ڈاکٹر سہیل عباس بلوچ مرکب ناقص کی اقسام حسبِ ذیل کے مطابق بتائی ہے:

''اس کے کئی قسمیں ہیں(۱)مرکب اضافی(۲)مرکب توصیفی(۳)مرکب عددی(۴)مرکب

عطفی (۵)مرکب ظرفی (٦)مرکب امتزاجی (۷)بدل ومبدل(۸)عطف بیان(۹)تابع موزوں یاموضوع(۱۰)تابع مہمل(۱۱)سابق مہمل(۱۲)تثنیہ مہمل(۱۳)ضدّین موزوں (تاکیدومؤکد(۱۵)تمیزوممیّز(۱٦)اسم فاعل ترکیبی(۱۷)اسم مفعول ترکیبی (۱۸)اسم صفت ترکیبی (۱۹)اسم مکبر جومرکب ہو(۲۰)اسم مبالغہ (۲۱)اسم تفضیل(۲۲)مرکب جاری (۲۳)مرکب اشاری/اشارہ ومشارالیہ(۲۴)مرکب حالی(۲۵)مرکب استثنائی(۲٦)مرکب مراد" (۳)

مجوزہ مقالہ کاموضوع مرکب اضافی،مرکب توصیفی،مرکب عددی،مرکب عطفی،مرکب امتزاجی اور مرکب جاری ہیں۔مثنوی "گلزارِنسیم" میں فارسی زبان کے یہی مرکبات موجود ہیں۔

مرکبِ اضافی:

مضاف،مضاف الیہ کے درمیان حرفِ اضافت ایک معمولی سا تعلق پیدا کرتا ہے۔پہلا اسم مضاف الیہ اور دوسرا مضاف کہلاتا ہے۔مضاف الیہ کو جوحرف مضاف کے ساتھ ملاتا ہے وہ حرفِ اضافت کہلاتا ہے اور یہ تینوں مل کر مرکب اضافی بناتے ہیں۔

اس ضمن میں ڈاکٹر سہیل عباس بلوچ رقم طراز ہیں:

"جب دواسم آپس میں ملتے ہیں تو ان میں ایک ادھورا سا تعلق پیدا ہوجاتا ہے اس ناتمام لگاؤ کا نام اضافت ہے۔جس اسم کادوسرے کے ساتھ تعلق ظاہر کیاجائے اس کومضاف کہتے ہیں اور جس اسم کے ساتھ ظاہر کیاجائے اس کومضاف الیہ اورمجموعے کو مرکب اضافی۔۔۔۔عربی اور فارسی میں مضاف مقدم آتا ہے اور مضاف الیہ مؤخر۔مگر اردو میں مضاف الیہ کو پہلے اورمضاف کو پیچھے لاتے ہیں۔نظم میں ضرورت شعری کے سبب بسااوقات مضاف مقدم اورمضاف الیہ مؤخر آتا ہے۔"(۴)

مثنوی "گلزارِنسیم" میں موجود مرکباتِ اضافی ملاحظہ کیجیے:۔

حمدِ باری،حمدِحق،مدحتِ پیمبر،مطیعِ پنجتن،منقارِ ہزارداستاں،گل بکاولی،بہارِعاشقی،دادِنظم،سلطانِ قلمروِسخن، سحرِسخن،کاربندِساقی (ص 15)نیرنگِ نسیمِ باغِ کشمیر،سپندِخوش بیانی،حصارِسحرخوانی،رددادِزمانِ پاستانی،خورشیدِحمل، مہرِانور،طفل مہ جبیں،طفل ابترمانندِسرشکِ دیدۂ تر،افسرِخسرواں،مہرِلب،نورِبصیرت(ص 16)نورِدیدۂ کور،نسخۂ نور،سرمۂ طور،دیدۂ کور،پیرِدیریں،باغِ نکاولی گل ارم،سلطان زین الملوکِ شہ زر،دیدارِپسرگل بکاولی(ص 17)رنگِ

بدطرازی، سرِشام،چوبدارِدر(ص18) سوئے شہر،جانبِ نہر،ریگِ رواں،گردِلشکر،تاج الملوکِ ابتر،دِرباغِ بیسوا (ص19)رنگِ نرد،صاحبِ جاہ،مارِآستیں،مانندِ چراغ(ص20)نقارۂ در،گلزارِارم،سوادِنامہ،نقشِ پائے خامہ (ص 21)دامن دشتِ شوق،تاج الملوکِ دل زار،صحرائے عدم،مرغانِ ہوا،نقشِ کفِ پا،ریگِ ماہی،ریگِ رواں،رہِ عدم(ص22) گلزارِارم،ریگِ زمیں،دختِ آدم (ص23) پیراہن گل،حالِ یعقوب، دردِلادوا،باغِ ارم،حاجتِ نقب،صحنِ چمن ارم(ص24)رنگِ سبزہ،ایوانِ بکاولی،آئنہ دارِ بام ودر،رشکِ جامِ جہاں نما،لبِ حوض،خواب گہہِ بکاولی،ساعدِ حور،مژگانِ چشمِ مخمور،مکانِ جادو،چشمِ نرگسی (ص25)مہرِخطِ عاشقی،نقبِ افق،مہرِتاباں،مثل دستِ بیضا، دختِ انساں،بلبلِ خامہ،غنچۂ صبح،سبزۂ باغِ خواب آرام،مرغِ سحر، فرشِ گل، صورتِ بید(ص26)،چشمِ حوض،بادِصبا)ص 27)مثل باد،گلشن مدعا،تاج الملوکِ حق بیں،دیوِ سیاہِ شب،وقتِ سحر،گل گشتِ چمن(ص28)گل آرزو،رشکِ شمشاد،قیدِ فرنگ،ہوسِ گل،رشکِ شمشاد،فقیرِ پیر،نقشِ قدم،خاکِ رہ،نمایش گل،آزمایش گل،زرِگل،چشمِ کور(ص29)غولِ گمراہ،حسرتِ گل تر، علاجِ نور،چراغِ طور(ص30)مثل بُو، حضورِشاہ، نورِدیدہ،چشمِ آرزو،خورشیدِبصر،شاخِ قلم،بادِچمن(ص 31)ابن فیروز،عازمِ وطن (ص32)،باغِ بکاولی،گلزارِجواہریں،صنّاعِ طلسم،دختِ رز،مادرِ پیر،گلشن نگاریں،خورشیدِافق (ص 33)خلاصۂ دہر،جانبِ شہر،لعل بے بہا،رنگِ خورشید،پیش گاہِ سلطاں،مشیرِ نیک وبد(ص34)قتل دختر،جنابِ باری،شکل داماد،جانِ ناشاد (ص35)روزِ نکاح،مثل خار،اسرِصیّاد،طائرِچمن زادمشتِ پر(ص36)بقعۂ نور،گلشن نگاریں،گلزارِارم،حسبِ دستور،بادشاہِ مستور(ص37)مردمِ شہر،رفع شر،مکانِ یاقوت،معدنِ لعل،کانِ یاقوت،صاحبِ تاج(ص38)شاہِ ذی جاہ،شاہِ خاور،ایوانِ جواہریں،خوانِ الوان(ص39) تاجِ شہی، نشانِ دل نشیں،عنصرِخلافت،قابل حشم،دشمن چشم،رنگِ رُو،فرشِ گل(ص40)عزمِ وطن،گلشن نگاریں،دعوتِ بادشہ،انگشتریِ پری،مہرِمحضر،پابوسِ شہ،حسنِ خدمت،دیدۂ پدر،سرشکِ چشمِ مادر(ص41) طلسمِ تقدیر،بکاولیِ مستور،تغییرِ لباس،نفس بکاولی،دزدِحنائے دست یابی،رہ روِ رُو،سنگِ خارا،طلسمِ صورت،رخِ ضرورت،باعثِ عزمِ میہمانی،صاحبِ بزمِ میزبانی،آئنہ دارِخودنمائی،سرمۂ چشمِ آشنائی(ص42) پردہ کشائے روے پنہاں، داغِ نمائے پشتِ اخواں،باغِ ارم،گلشن نگاریں،آدمِ حوروش،نگین خاتم(ص43) کلامِ لطف،صورتِ چشمِ شوق،جوابِ نامہ،شاہِ ارم،دختِ گل فام، داغِ دل،رگِ شمع،برقِ دماں،خرمن خار،سیل رواں،جوششِ یم،مُورِ بے پر،نقشِ قدم،بادِصرصر،خصمِ جانی(ص44) زیرِ لب،دلِ زار(ص45) غنچۂ

یاسمیں،دامن سرو،رخِ مہر،کلکِ شنجرف،سترکشائے معنی وحرف،عشق فتنہ پرداز،شمع فروزِ پردۂ راز،مردمِ دیدۂ قیامت،شعلۂ آتشیں،دریائے طلسم،بہارِ باغ،سودائے الم(ص 47) ماہی تر،یادِ آدم،قیدِ جفا(ص 48)رشکِ گل،رنگِ زلف،ابروانِ خم دار،سبزۂ خط،چہ ذقن،باعثِ مرگِ ناگہانی،رخِ جنوں،پابوسیِ گل،وحشتِ عشق (ص 49)گہرِ طلسمِ اخلاص،بحرِ سخن،بارشِ جدائی،غرقۂ بحر آشنائی،بادشاہِ حباب، تاج الملوکِ مضطر،بے مہریِ چرخ،ماہِ سپہر،ماہیِ بحرِ ابتر،بحرِ آسماں،طوفانِ طلسم،جوشِ افسوں،چینِ داماں، بحرِ اوہام،بلاے ناگہانی (ص 50)افعیِ شب،چادرِ آب(ص 51)ملہمِ غیب،مثالِ ماہی،صورتِ عصافیر،سرچشمۂ آفتاب،چراغِ دامن (ص 52)زنبورِ سیاہ، کریہہ منظر،چشمِ منتظر،کوہِ البرز، لبِ حوض،تاجِ سر(ص 53) سلطانِ ارم،خرمنِ عیش،بحرِ فسوں،زخمِ دل،مشتِ خاک(ص 54)سنگِ گرانِ حربۂ غول،برقِ خرمن،قدمِ بشر،صورتِ خور(ص 55) جا گزینِ گلزار، اربابِ نشاط،شاہِ ارم(ص 56)خانۂ سلاسل،بکاولیِ بے دل،بانوے شہِ ارم،وحشتِ مجسم(ص 57)میانِ جان، غرقۂ بحرِ ظلم،مثلِ مژگاں،مانندِ حجاب،پیشِ نظر،ہفتِ عروسِ شادمانی(ص 58)کارِ مشاطہ،حق مہماں،عشقِ بکاولی،صورتِ حال،عقدِ پرویں، پیوندِ نہالِ گل(ص 59)ضدِ انس،حضرتِ سلیماں،مسیحِ دوراں،قطرۂ بحرِ کبریائی، رشتۂ نفس،کلکِ شنجرف،انگشتِ قبولِ دیدۂ حرف(ص 60)افسانۂ عشق،تصویرِ بشر،سرِ مُو،پاے خورشید،نہالِ امید، رنگِ امید،شملۂ سر،حجابِ عارض،نقابِ عارض(ص 61)بہارِ بوستاں،آرایشِ تختِ گل،تختِ طاؤس،سرِ عرش،ذکرِ آدمی،سوارِ شبدیز،رکابِ شوقِ مہمیز،بارانِ گلاب،بارانِ گل،رشکِ جم، اسپندِ نگاہِ بد(62)شیشۂ مے، دختِ رز،رشکِ جامِ سرشار،شرابِ دیدار،صراحیِ مے ناب،مستیِ خواب،عروسِ مہ،شاہِ خاور،سرِ وطن،کلکِ دوزباں(ص 63)یادِ ہند،سوے آسماں،عزمِ سفرِ وطن، دو چارِ خویش،زینتِ دوش،آئینۂ رخ،باغِ سحر بنیاد،مانندِ حواس(ص 64)چرخِ فتنہ انگیز،مؤرخانِ ہندی،مقبولِ جنابِ کبریا(ص 65)مثلِ ابر،ہم بسترِ آدمی،نقشِ مراد،مانندِ رنگ،دامن اشکِ تر(ص 66)آتشِ گل،گلِ معنبر،دودِ اخگر،صاحبِ کرم،کنارِ حوض،آہوِ مستِ خوابِ خرگوش، تاج الملوکِ بے ہوش،نقشِ وفا،مہرِ فلک، سرِ شام(ص 67)دردِ سر،شاملِ دو نوکِ شیشۂ خنجر، بیداریِ شب، سرِ دست،آخرِ شب،رنگِ سایہ،رشکِ ناہید، رکابِ خورشید،تختِ زرکار،صورتِ خار،شمعِ محفل،مثلِ آواز،صورتِ ناز(ص 68)سوئے بستر،آتشِ شفق،گلزارِ خلیلؑ،قومِ آتشی(ص 69)مہِ انجمن،آتشِ حسد،سپدِ چشمِ بد(ص 70) بیانِ سنگساری،چشمۂ آفتاب،خلافِ آئیں،جسمِ پائیں(ص 71) جامۂ گل،چشمِ جادو، تیغِ ابرو،مثلِ گیسو،صورتِ بُو(ص 72)مثلِ قمر،مثلِ شبنم،آخرِ شب،مانندِ چشمِ بے

خواب،دمِ صبح،سرِشام،ضرورتِ زر،مثالِ اشک،چشمِ حلقۂ درسوئے شہر،صاحب زرمنزلِ شب،رہ روِ روز،گوہرِشبنم(ص 73)درِقبول،سایۂ زلف،پردۂ در،تیرِ نظر،مشاطۂ خوش ادا،ماہِ سیما،چشمۂ مہر(ص 74)داروغۂ محبس جفاپابندِ وفا،خیالِ بندِ پا(ص 75)آسایش جاں،عقلِ مصلحت سنج،عروسِ زیبا،شکل نقشِ دیبا،شبِ جوانی،داخل شبستاں(ص 76)گوشۂ دل،وقتِ سحر،بسترِخواب سرگرانی،ہمراہِ صاحب تاج،پسِ قدم(ص 77)لعل گراں بہا(ص 78)پےِنظارہ،منتظرِظہورِنیرنگ(ص 79)عہدِسختی،شمعِ بالیں(ص 80)تختِ سحرآگیں،گلشن نگاریں،آرامِ ارم،مستِ بادہ،پنجۂ وفا،خمسۂ مطلعِ صفا،حواسِ خمسہ،مجمعِ بد،شاخِ قلم،زلفِ مہ رخاں،آتش مہر،مستِ مےِفسانہ گوئی،گل گشتِ چمن(ص 81)کاکل شب،روے خورشید،چشمِ امید،ماہِ نو،درِیگانہ،مستِ خواب،کنارِگور(ص 82)پشتِ آئنہ،نقشِ محمل نگار(ص 83) بندِسحربنیاد،شکل نقرۂ خام،سازِطرب،رازِادب(ص 84)اورسرِشب زلف،صبحِ رخسار،گلزارِنسیم،توقیعِ قبول،جیسے مرکبات اضافی شامل ہیں۔

اس ضمن میں چند شعری امثال ملاحظہ کیجیے:

طعنے سے زبانِ نکتہ چیں روک رکھ لے مری اہلِ خامہ میں نوک(۵)
اے یوسفِ چشم زخمِ یعقوب وے رشکِ برادرانِ منکوب
اے دلبرِ دلبرِ دغل باز وے دیو سوارِ عرشِ پرواز
اے آبِ تہِ زمین نیرنگ وے نقب دوانِ باغِ گلرنگ(۶)
تھا مردمِ دیدۂ طلسمات سخالِ رخ و رنگِ رُوِ مساوات(۷)
خواہاں سے مرے نہ ہو تو ناخوش ہے دخترِرز، نصیب مے کش(۸)

مرکب توصیفی:

صفت اورموصوف مل کرمرکبِ توصیفی بناتے ہیں۔صفت کسی اسم کی خوبی یاخامی کو کہتے ہیں۔جس اسم کی خوبی یاخامی بیان کی جائے،موصوف کہلاتا ہے۔

”وہ مرکب ناقص ہے جس میں ایک کلمہ صفت اور دوسرا موصوف(وہ کلمہ ہے جس سے صفت کو لگاؤ ہو)ہو،جیسے: میٹھادودھ۔سفید پگڑی۔۔۔۔فارسی چلن کے مطابق موصوف کے نیچے عام طورپر(ِ)لگائی جاتی ہے،جیسے:دلِ دردمند۔“(۹)

ذیل میں مثنوی ''گلزارنسیم'' میں سے مرکباتِ توصیفی پیش کیے جاتے ہیں:

طفل ابتر (ص 16) سفید چشم (ص 17) نیک اختر (ص 18) ریگِ رواں (ص 19) طفل نوجواں (ص 22) خواہرِ مہرباں (ص 23) فسردہ دل، بدنگاہی (24) چشمِ کور (ص 29) غولِ گمراہ (ص 30) وزیر معقول (ص 36) حسین آدمی (ص 37) دیونی قوی بال، ایوانِ جواہریں، خواصِ نازک اندام (ص 39) حسنِ خدمت (ص 41) خوش اقبال (ص 43) تاج الملوکِ خوش خو، عنبریں رقم، خستہ دیوار (ص 44) خوش بیاں (ص 48) شوریدہ بکاولی (ص 49) ماہِ روشن (ص 51) قطرہ زن سیل (ص 52) ماہِ روشن (55) کشیدہ داماں (ص 58) چہرۂ آتشیں (62) خوش پوش (65) تاج الملوکِ دل تنگ لعل بے بہا (ص 79) نیک بختی (ص 80) جیسے مرکباتِ توصیفی ''مثنوی''گلزارِنسیم'' کی زینت ہیں۔

مثنوی ''گلزارِنسیم'' میں سے چند شعری مثالیں دیکھیے:

حضرت! یہ پسر ہے نیک اختر   بدیُمن مگر ہے ایک اختر(۱۰)

کروٹ لے کر وہ عنبریں مُو   اٹھ چلنے کا سوچتا تھا پہلو(۱۱)

فردوس میں مالن ایک تھی حور   گل چہرہ پری، بنفشہ مشہور(۱۲)

مرکبِ عددی

اسمِ عدد اور اسم معدود مل کر مرکبِ عددی بناتے ہیں۔ گنتی کے عدد، اسمِ عدد کہلاتے ہیں جب کہ اسمِ عدد کے ساتھ آنے والے کلمے کو معدود کہتے ہیں۔

اس حوالے سے ڈاکٹر سہیل عباس بلوچ بیان کرتے ہیں:

''وہ مرکب ہے جو اسم عدد اور اسم معدود سے مل کر بنے، جیسے: دو سیب، چار اونٹ۔''(13)

مثنوی ''گلزارِنسیم'' میں پائے جانے والے مرکباتِ عددی یہ ہیں:

دو چنداں (61) دو زباں (63) یک چند (65) ہزار کامرانی (78) صد سوز (82)

بارے، وہ مہِ دو ہفتہ باہم   یک ہفتہ رہے انیس و ہمدم(۱۴)

بولا وہ کہ یہ نہ ہوگا مجھ سے   میں دو قدم آگے ہوں گا تجھ سے(۱۵)

تنہا وہ سمن پری تھی اک روز   قدموں پہ گرا، کہا: بہ صد سوز(۱۶)

دو ساز طرب سے ملے خوش آہنگ دو رازِ ادب کھلے بہ صد ننگ(۱۷)

مرکبِ عطفی رمعطوف بحرف

مرکبِ عطفی رمعطوف بحرف کے ضمن میں ڈاکٹر سہیل عباس بلوچ تحریر کرتے ہیں:

''مرکبِ عطفی رمعطوف بحرف: وہ مرکب ہے جو معطوف اور معطوف الیہ سے مل کر بنے اور اس کے درمیان حرف عطف (واوَ) آئے۔حرف عطف وہ حرف ہے جو دو اسموں کو آپس میں ملائے، جیسے: دودھ اور شکر۔امیر و غریب۔ اور۔و۔حرف عطف ہیں۔مرکب عطفی میں پہلے اسم کو معطوف الیہ اور دوسرے اسم کو معطوف کہتے ہیں۔''(۱۸)

مثنوی ''گلزارِ نسیم'' سے مرکباتِ عطفی پیش کیے جاتے ہیں جن میں سے چند مکمل مصرعے مرکبِ عطفی کی عمدہ مثال ہیں:

حمدِ حق ومدحتِ پیمبر (15) مال وزر(ص 19) زرومال (ص 20)اسپ و جامہ وزر،چشم و چراغ،نقدو جنس (ص 20) عجز و زاری ،انسان و پری (ص 21) تگ و دَو(ص 22)ضبط و حیا (ص 24) گل و چمن (ص 29)شام وسحر،لطف و اکرام(ص 32)الماس وعقیق ولعل و یاقوت،نیک و بد،نیرنگ وفسوں (ص 34) دختر و زوج (ص 35) مہ ومہر،معدنِ لعل وکانِ یاقوت،تاج وتخت (ص 38)نقل و مے و جام وخوانِ الوان (ص 39)نام ونشان (ص 40)خطاب وخلعت،خویش و یگانہ(ص 41) معنی وحرف (ص 47) خوروخواب،طاقت و تاب،خورو خواب، بد و نیک (ص48) آب و تاب (ص52)رخ ورنگ،پرجوش وخروش(53) مبارک و سلامت(ص 75)جانِ و جاناں،چشم و دل ، یک جان ودوتن (ص 58)خال وخط (ص 60)خط و خال وچشم و ابرو(ص 61)فیروز ومظفر،عروس و داماد (ص 62)مبارک و سلامت،چست و تنگ(ص 63)فیروز شہ وجمیلہ بانو،خویش و دختر (64)مِہر وسَر گرانی(ص 76) بُت و برہمن،لعل وگہر،شمس وقمر (ص 77) بیخ و بنیاد(ص 78)ہم خانہ وہم دم وہم آغوش(ص 65)میناوکباب ومجمر وشمع (ص 68) صورت وصدا(ص 68)ماہ واختر(ص 73)

مرکبِ عطفی کی مثالوں کے لیے چند اشعار دیکھیے:

لشکر کش و تاجدار تھا وہ دُشمن کُش و شہر یار تھا وہ(۱۹)
خوش قد وہ چلا گل وسمن میں شمشاد رواں ہوا چمن میں

ایوانِ بکاولی جدھر تھا حوض آئینہ دارِ بام و در تھا
دکھلاتا تھا وہ مکانِ جادو محراب سے ، در سے ، چشم و ابرو(۲۰)

دیکھا تو وہ سر نگوں تھا دل گیر تھی حلقہ بہ حلقہ زلف و زنجیر
قدموں پہ گری ،کہا :اٹھو، آؤ انکار و گریز جا نے دو ، آؤ (۲۱)

مرکب امتزاجی:

اس حوالے سے ڈاکٹر سہیل عباس بلوچ تحریر کرتے ہیں:

''وہ مرکب ہے جو دو یا تین اسموں سے مل کر ایک لفظ یا اسم بنے، جیسے: شاہجہان آباد۔فیصل آباد۔محمد علی جناح۔''(۲۲)

فردوس کا بادشہ مظفر روح افزا جس کی ہوں میں دختر(۲۳)
وہ شکرگزار روح افزا ماں سے بولی کہ حسن آرا!
راز ان کا کیا جو آشکارا راضی ہوئی سن کے حسن آرا!(۲۴)
فیروز شہ و جمیلہ بانو دونوں ہوئے سن کے سر بہ زانو(۲۵)
چتراوت، چترسین کی جان آرام ارم، بکاولی جان(۲۶)

مرکب جاری:

اسم مجرور اور حرفِ جار مل کر مرکب جاری بناتے ہیں۔

''وہ مرکب ہے جو اسم مجرور اور حرف جار سے مل کر بنے، جیسے: لاہور میں۔جہلم تک۔میز پر۔''(۲۷)

ذیل میں وہ مرکباتِ جاری درج کیے جارہے ہیں جو مثنوی ''گلزارِ نسیم'' کا جزو ہیں:

بہ رنگِ خورشید (ص 34) تادرِخانہ (ص 39) بہ صد لطافت (ص 40) رُو بہ راہ (ص 41) بہ صد تامّل)ص 46) گل بہ داماں، پابہ زنجیر (ص 47) بہ آہ و زاری (ص 49) بہ دل (ص 58) تا بہ پاسنگ، پیش از دم (ص 73) بہ صد کدورت (ص 76) بہ صد جور، سنگت بجائے خویشتن سنگ، بہ خوش بیانی، بہ ہزار کامرانی (ص 78) بہ صد ننگ (ص 84)

دیووں سے کہا کہ چوہے بن جاؤ تا باغِ ارم سرنگ پہنچاؤ(۲۸)
باتوں پہ فدا ہوا شہنشاہ لایا بہ صد امتیاز ہم راہ(۲۹)
تعمیرِ مکاں کے ہیں آثار یوں خامہ ہے بہرِ بیت، معمار
دیووں کو کہا کہ بہرِ تمکیں آباد ہو گلشن نگاریں(۳۰)
اے آب تہِ زمین نیرنگ وے نقب دوانِ باغِ گلرنگ

اے رہ رَوِ رُو بہ رہ نہادہ وے صرصرِ گل بہ باد دادہ(۳۱)

شہہ زادہ کہ زیرِ تختِ زرکار تھا پہلوِ گل میں صورتِ خار(۳۲)

مجوزہ مختصر سے تحقیقی مقالہ کے مندرجات سے جو نتائج اخذ کیے جاسکتے ہیں ان کے مطابق مثنوی ’’گلزارِنسیم‘‘ میں شامل فارسی مرکبات ناقص کو پنڈت دیاشنکرنسیمؔ نے فصیح و بلیغ پیرائے میں پیش کیاہے ۔ساتھ ہی اختصار سے بھی کام لیاہے ۔ان مرکبات میں سب سے زیادہ تعدادمرکباتِ اضافی کی ہے جن کی تعدادقریب قریب چارسو چونسٹھ(475) ہے ۔مرکب توصیفی پینتیس(35)،مرکب عددی بارہ(12)،مرکب عطفی ستّر(77)،مرکب امتزاجی سات(7)اورمرکب جاری چھبیس(26)کی تعداد میں،مثنوی ’’گلزارِنسیم‘‘،میں موجود ہیں ۔بعض اشعارکے ایک ہی مصرع میں تین چارمرکب اضافی اورمرکب عطفی پائے گئے ہیں جو پنڈت دیاشنکرنسیمؔ کی قادرالکلامی منھ بولتا ثبوت ہیں ۔

حوالہ وحواشی

1۔ نوراللغات(اردو کانادرلغت)،حصہ چہارم،لکھنؤ،حلقۂ اشاعت،1917ء،ص 534

2۔ سہیل عباس بلوچ،ڈاکٹر،بنیادی اردوقواعد،اسلام آباد،مقتدرہ قومی زبان،س۔ن،ص 174

3۔ ایضاً

4۔ ایضاً

5۔ دیاشنکرنسیم لکھنوی،مثنوی گلزارِنسیم،مرتبہ:رشیدحسن خاں،نئی دہلی،مکتبہ جامعہ لمیٹڈ،اشتراک:نئی دہلی،قومی کونسل برائے فروغ اُردوزبان۔2011ء،ص 15

6۔ ایضاً،ص 42

7۔ ایضاً،ص 53

8۔ ایضاً،ص 80

9۔ سہیل عباس بلوچ،ڈاکٹر،بنیادی اردوقواعد،اسلام آباد،مقتدرہ قومی زبان،س۔ن،ص 177

10۔ دیاشنکرنسیم لکھنوی،مثنوی گلزارِنسیم،مرتبہ:رشیدحسن خاں،نئی دہلی،مکتبہ جامعہ لمیٹڈ،اشتراک:نئی دہلی،قومی کونسل برائے فروغ اُردوزبان۔2011ء،ص 35

11۔ ایضاً،ص 77

12۔ ایضاً،ص 82

13۔ سہیل عباس بلوچ،ڈاکٹر،بنیادی اردوقواعد،اسلام آباد،مقتدرہ قومی زبان،س۔ن،ص 177

14۔ دیاشنکرنسیم لکھنوی،مثنوی گلزارِنسیم،مرتبہ:رشید حسن خاں،نئی دہلی،مکتبہ جامعہ لمیٹڈ،اشتراک:نئی دہلی،قومی کونسل برائے فروغ اُردوزبان۔ 2011ء،ص 58

15۔ ایضاً،ص 70

16۔ ایضاً،ص 82

17۔ ایضاً،ص 84

18۔ سہیل عباس بلوچ،ڈاکٹر،بنیادی اردوقواعد،اسلام آباد،مقتدرہ قومی زبان،س۔ن،ص 177

19۔ دیاشنکرنسیم لکھنوی،مثنوی گلزارِنسیم،مرتبہ:رشید حسن خاں،نئی دہلی،مکتبہ جامعہ لمیٹڈ،اشتراک:نئی دہلی،قومی کونسل برائے فروغ اُردوزبان۔ 2011ء،ص 16

20۔ ایضاً،ص 25

21۔ ایضاً،ص 75

22۔ سہیل عباس بلوچ،ڈاکٹر،بنیادی اردوقواعد،اسلام آباد،مقتدرہ قومی زبان،س۔ن،ص 177

23۔ دیاشنکرنسیم لکھنوی،مثنوی گلزارِنسیم،مرتبہ:رشید حسن خاں،نئی دہلی،مکتبہ جامعہ لمیٹڈ،اشتراک:نئی دہلی،قومی کونسل برائے فروغ اُردوزبان۔ 2011ء،ص 54

24۔ ایضاً،ص 59

25۔ ایضاً،ص 64

26۔ ایضاً،ص 81

27۔ سہیل عباس بلوچ،ڈاکٹر،بنیادی اردوقواعد،اسلام آباد،مقتدرہ قومی زبان،س۔ن،ص 180

28۔ دیاشنکرنسیم لکھنوی،مثنوی گلزارِنسیم،مرتبہ:رشید حسن خاں،نئی دہلی،مکتبہ جامعہ لمیٹڈ،اشتراک:نئی دہلی،قومی کونسل برائے فروغ اُردوزبان۔ 2011ء،ص 24

29۔ ایضاً،ص 32

30۔ ایضاً،ص 33

31۔ ایضاً،ص 42

32۔ ایضاً،ص 68

***

بلوچی اور براہوئی زبان و ادب ایک جائزہ

*ڈاکٹر زاھد حسین دشتی **ڈاکٹر عابدہ بلوچ ***دردانہ

The traces of moral values of Urdu Dastan in Iqbal's poetry

Dr. Samina Saif

Language plays a vital role for the shaping of the social structure of a society. The Balochi and Brahui languages is spoken in many countries like Iran, Afghanistan, Turkaministan and Gulf etc.They have socio-linguistic contacts with each other. Both languages have old History. The Brahui language, considered as a whole seems to be derived from Dravidian elements. The Brahui language necessarily contains a good deal and also similarity of Balochi language. Balochi and Brahui languages are spoken in Balochistan province parallel. These languages spoken different countries they have lot of similar characteristics. Balochi is from Aryans while Brahui is from the Dravidian group of the language.This research article discusses the Balochi and Brahui history and literature. The researcher also shed light on the comparison of Balochi and Brahui language and also discusses social, historical harmony between Balochi and Brahui speakers.

آبادی کے لحاظ سے پاکستان کا سب سے چھوٹا اور رقبے کے لحاظ سے سب سے بڑا صوبہ بلوچستان اپنی جغرافیائی اور قدرتی معدنی وسائل کی وجہ سے خطے میں انتہائی اہمیت کا حامل علاقہ ہے۔ 750 کلو میٹر طویل ساحلی پٹی، ڈیرہ بگٹی اور سوئی سے نکلنے والی قدرتی گیس، چاغی اور سینڈک کے مقام پر نکلنے والی سونے کے بڑے ذخائر، مچھ، ڈغاری کے علاقے سے نکلنے والی کوئلہ خاص طور پر جبکہ ایران، اور افغانستان سے لگنے والی سرحدیں خاص طور پر اس کی اہمیت میں اضافہ کرتے ہیں۔

* شعبہ بلوچی جامعہ بلوچستان کوئٹہ **شعبہ براہوی جامعہ بلوچستان کوئٹہ ***اسسٹنٹ پروفیسر تاریخ گورنمنٹ ڈگری گرلز کالج سیٹلائٹ ٹاون، کوئٹہ

بلوچستان میں بسنے والے اقوام کی زبان، ادب، رہن سہن، سیاست، ثقافت اور قدیم تاریخ ہمسایہ اقوام میں قدر و منزل رکھتے ہیں ۔صدیوں سے یہاں آباد اقوام اپنی سادہ مگر باوقار زندگی سے دنیا کے دیگر اقوام کے ساتھ ساتھ موجودہ ترقی میں شانہ بشانہ قدم بڑھا رہے ہیں ۔

یہاں قائم تعلیمی، تجارتی، ثقافتی اور ادبی ادارے اپنی محدود وسائل کے اندر رہتے ہوئے باصلاحیت طالبعلم، کاروباری حضرات، فنکار اور ادیب سامنے لا رہے ہیں ۔جو اپنے اپنے شعبوں میں اپنی بے پناہ صلاحیتوں کو بروکار لاتے ہوئے نت نئے تجربات، تخلیقات اور ہنرمندی کے جوہر دکھا رہے ہیں ۔

کسی بھی خطہ زمین میں بسنے والے افراد کی قدیم تاریخ بمعنی آثار قدیمہ سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ وہ کس طرح کی زندگی بسر کرتے رہے ہیں ۔اس سلسلے میں بلوچستان میں آثار قدیمہ کے متعلق ڈاکٹر عبدالرزاق صابر اپنی پی ایچ ڈی مقالہ ”براہوئی اور بلوچی کے لسانی روابط“ میں تحریر کرتے ہیں ۔

”بلوچستان کی تہذیب ماقبل تاریخ کے متعلق اب تک جو کچھ انکشافات ہوئے ہیں ان کی بنیاد مکمل طور پر آثار قدیمہ پر رکھی گئی ہے جس کا قیاس مدفون عمارتوں کے کھنڈرات، ظروف، گلی، ٹھیکریوں، مہروں، پتھر اور دھات کے اوزاروں اور قدیم سکوں، مٹکوں وغیرہ سے کیا جاسکتا ہے بلوچستان جا بجا پھیلی ہوئی ان قدیم بستیوں نے اس وقت مختلف مقامات پر ٹیلوں کی شکل اختیار ہے جنہیں مقامی اصطلاح میں ” دمب“ کہا جاتا ہے ۔اس قسم کے دمب بلوچستان میں ہر جگہ پائے جاتے ہیں ۔بلوچستان میں گذشتہ قریباً نصف صدی سے ماہرین آثار قدیمہ نے جو کھدائی کی ہے اور جو آثار دریافت کئے ہیں ان سے بلوچستان کے زمانہ ماقبل تاریخ کی سماجی اور تہذیبی زندگی کے خدوخال پوری طرح اجاگر ہوئے ہیں اور بقول ملک محمد سعید بلوچ ”بلوچستان کے تاریخی“ دور کے کسی زمانے کی نسبت اس کے زمانہ ماقبل تاریخ کے حالات زیادہ روشن اور واضح ہیں“ (صابر : 2021ص،22)

کسی بھی خطے کی قدیم اور جدید تذکروں کے بغیر اس خطے کی تاریخ نامکمل تصور کی جاتی ہے ۔تاہم تاریخ میں ہمیں خطہ بلوچستان کے متعلق الگ الگ مگر مستند حوالے ملتے ہیں جیسے کہ ڈاکٹر عبدالرزاق صابر اپنی کتاب ”براہوئی اور بلوچی کے لسانی روابط“ میں تحریر کرتے ہیں ۔

”اس سرزمین بلوچستان کا تذکرہ پہلی دفعہ بےستون کے چودھویں کتبے میں ” ماکا “ کے نام سے موجود

ہے ۔جس کی مشرقی سرحد دریائے سندھ سے جاملتی ہے ۔ ماکایامکا جسے مکیاں کامسکن کہا گیاہے دراصل موجودہ مکران کا خطہ ہے جو اب جنوبی بلوچستان کہلاتا ہے ۔ بلوچستان کی قدیم تاریخ سے متعلق پانچویں صدی قبل مسیح کایونانی مورخ ہیروڈوٹس Herodotus اپنی کتاب میں شہنشاہ داریوش کی حکومت کے بیس صوبوں میں سے ایک صوبہ بلوچستان بتاتا ہے ۔وہ اس کے شہروں میں گدروشیا، آرکوسیا، درنجیانا، ڈگاسیرا وغیرہ کانام بھی دیتاہے" (صابر : 2021،ص،27)

بلوچستان کے تاریخی ،ثقافتی اورزبانوں کے حوالے سے ہم آگے بحث کریں گے یہاں زبانوں کے الفاظ کے مختلف تراکیب اوران کے ہمسایہ زبانوں میں استعمال کے متعلق کامل القادری اپنی کتاب "براہوئی کہاوتیں" میں تحریر کرتے ہیں۔

" زبان اظہارکاایک عمومی ذریعہ ہے، اظہارمطالب کے مختلف پیرائے ہوتے ہیں ۔ادبی اورعام بول چال کی سطح قدرے مختلف ہوتی ہے ۔ یہ اسالیب بیان یااظہارمطالب کے سازوسامان صدیوں کی کاوش فکر کے بعدمتعین ومقررمفاہیم ومطالب کی ادائیگی قابل بن سکے ہیں ۔مثلاً فارسی " آب" کو لیجئے آشب کے معنی پانی ہیں لیکن اس لفظ کے روپ رنگ مختلف ہیں ۔ یہ لفظ پیرایہ بیان میں نوبہ نو جامے ہیں چہرہ نما ہوتا ہے ۔کہیں یہ دوسرے لفظ یا الفاظ سے مرکب ہو کرنیامفہوم پیدا کرتا ہے "مثلاً آب آتش رنگ" آب احمر، آب ارغونی، آب انگور، آب حیوان، آب حیات، آب بقا، آب خضر، آب چشم آب وخبز، آب زر، آب کار، آب گوں، آب تلخ، آب تاب، آب زم زم، آب داز، آب فقرہ، آب شور، آب زال، آب گزیدہ وغیرہ ،کہیں یہ روز مرہج اور محاورے کے طور پر استعمال ہوتا ہے ۔اور لغوی واصلی معنی کے بجائے مجازی مفہوم کی ادائیگی کرتاہے ۔" (قادری : 2021،ص،10)

کسی بھی زبان کے الفاظ کے ذخیرہ کومحفوظ رکھنا جہاں اُس دور کے ادیبوں اور محققین کی ذمہ داری ہے ۔ وہیں کسی زبان کے حوالے سے کام کرنے والے اداروں کا بھی اتناہی ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ اپنی زبان وادب کی ترقی و ترویج کے لئے نہ صرف کام کریں بلکہ وہ نوجوان اسکالرز کو وہ تمام مواقع مہیا کریں جو آگے چل کر زبان وادب کی معدومیت کے خطرات سے نمٹنے کے لئے اپنی صلاحیتیں بروئے کارلا کراُس زبان وادب کوزندہ وجاوید رکھ سکیں۔

بلوچی اور براہوئی زبان وادب کے لئے موجودہ دور میں کئی شخصیات اپنی بساط کے مطابق اورادبی ادارے

اپنے محدود وسائل کے اندر رہتے ہوئے کتابیں شائع کر رہے ہیں۔مذاکرے منعقد کر رہے ہیں اور آنے والی جدید دور کے تقاضوں کے مطابق زبان و ادب میں نئی نئی اصطلاحات متعارف کروا رہے ہیں۔

اس سلسلے میں جب ہم براہوئی زبان و ادب کے حوالے سے باقاعدہ کام کے شروعات کا جائزہ لیتے ہیں تو اس سلسلے میں ہمیں مکتبہ درخانی کا انتہائی اہم کردار نظر آتا ہے۔جن کی اُس وقت وسائل کی کمی جیسے پریس، کتابت اور تقسیم کے باقاعدہ سہولیات نہ ہونے کے باوجود اپنی خدمات سرانجام دی۔اور نہ صرف انہوں نے مردوں کے تخلیقات اور تحقیق کو سامنے لایا بلکہ انہوں نے خواتین کے حوالے سے نہ صرف کئی نام سامنے لائے بلکہ ان خواتین نے آگے چل کر براہوئی زبان و ادب کے تاریخ میں اہم نام بن گئے۔اس سلسلے میں عبدالقیوم بیدار اپنی تحقیقی کتاب "براہوئی نسائی ادب" میں مکتبہ درخانی کے قیام اور ان کی خدمات کا تذکرہ کچھ یوں کرتے ہیں۔

"جب ہم براہوئی ادب میں خواتین لکھاریوں کا جائزہ لیتے ہیں تو ہمیں تحریری صورت میں براہوئی ادب میں خواتین لکھاری مکتبہ درخانی کے قیام (1883ء) کے بعد ہی ملتی ہیں۔مولانا محمد فاضل درخانی نے 1883ء میں ضلع بولان میں ڈھاڈر کے قریب موضع درخان میں مکتبہ درخانی کے نام سے ایک مدرسے کی بنیاد رکھی۔جس کی تبلیغی زبان براہوئی اور بلوچی تھی اس مدرسے میں عربی فارسی کے ساتھ ساتھ براہوئی و بلوچی زبانیں بھی پڑھائی جاتی تھیں۔جس کی بدولت اس مدرسے سے سینکڑوں کی تعداد میں بلوچی اور براہوئی کتابیں تبلیغی نقطہ نظر سے شائع ہوئیں ان کتابوں میں خواتین کے مسائل کے حوالے سے کئی کتابیں شامل ہیں۔پہلے پہل خواتین کے لئے علامہ محمد عمر دین پوری اور مولانا عبدالمجید چوتوئی نے خواتین کے مسائل پر کئی کتابیں تحریر کیں ان میں "ہدایات المستورات، ملا اُرانا، جہالت بانو، علامہ محمد عمر دین پوری کی کتابیں ہیں۔عبدالمجید چوتوئی کی کتاب "گلشن راغبین" میں عورتوں کے مسائل پر سیر حاصل گفتگو کی گئی ہے۔علامہ محمد عمر دین پوری نے ایک ماہوار رسالہ "الحق" کے نام سے براہوئی میں نکالنا شروع کیا جن میں خواتین کے مسائل کے حوالے سے مضامین اور خطوط شائع کئے جاتے تھے۔علامہ محمد عمر دین پوری کی بیگمات محترمہ مراد خاتون (اُم شریف) اور محترمہ ہزار ناز (اُم حنیف) ان کے خطوط کے جوابات دیا کرتیں تھیں" (بیدار: 2013ص،27)

بلوچستان میں جب انگریز مشینری نے یہاں کے لوگوں کے مزاج کو سمجھنے اور ان کو اپنی ریاستی اور حکومتی

معاملات میں حصہ دینے یا وہ عناصر جو ان کے خلاف برسرِ پیکار تھے اُن کو رام کرنے کے لئے مختلف حیلے بہانے سے ان اقوام کو زیر نگین رکھنے کی ناکام کوشش کی۔ ناکام اس لئے کہ ان کے پاس بے شمار وسائل کے باوجود وہ اپنی قبضہ اور حکومت کو برقرار نہیں رکھ سکیں۔ تاہم براہوئی اور بلوچی زبانوں کے حوالے سے ان کی جو تصورات تھے یا جو مشاہدہ اور تجربہ تھا اُس کے مطابق اقدامات کرتے تھے اس سلسلے میں دو صدی قبل انہوں نے یہاں پر جو اقدامات کئے ان کا پردہ فاش کرنے کے لئے بلوچستان کے ماضی اور موجودہ دور کے محققین اپنی خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔

اس سلسلے میں پروفیسر انور رومان اپنی کتاب "براہوئی لوک کہانیاں" میں تحریر کرتے ہیں۔

"1877ء میں کوئٹہ پر قبضہ ہوا اور اس کے بعد انگریزی فتوحات کا سیلابی عمل بلوچستان کے اطراف و اکناف کو اپنی لپیٹ میں لیتا گیا۔ کوئٹہ پر انگریزی قبضہ کے بعد جونہی انگریزوں کو بلوچستان کی صورت حال پر قبضہ حاصل ہوگئی تو عمل نفوذ کے ساتھ ساتھ عمل تبلیغ بھی شروع ہوا۔ اور یہی ان کی یلغار کا دوسرا دور تھا۔ ان کے خیال میں بلوچوں کی نسبت براہوئی زیادہ اثر پزیر ہو سکتے تھے اس لئے کہ وہ زیادہ پسماندہ بھی تھے اور انہوں نے فوری طور پر انگریزی اصطلاح کے خلاف بلوچوں کے برعکس کوئی تحریک مقاومت و مزاحمت بھی نہیں کھڑی کی چنانچہ عیسائی مبلغین براہوئی علاقوں میں مصروف عمل ہوگئے۔ ان کا ایک زبردست قائد ریورینڈ ٹی۔ جے۔ ایل میئر ہوگئے۔ Rev.T.J.L Mayer تھا جو برٹش اینڈ فارن بائیبل سوسائٹی سے متعلق تھا۔ وہ سالہا سال تک براہوئیوں سے آزادانہ گھلا ملا رہا اور پھر اس نے تین حصوں میں Brahui Reading Book رومن حروف میں لکھی جو 1906 - 07 میں لدھیانے میں چھپی۔" (رومان: 2005،ص 10)

بلوچستان میں ہونے والی زبان و ادب کے حوالے سے سرگرمیوں کے ساتھ ساتھ بلوچی اور براہوئی زبانوں کے تاریخی پس منظر کا تذکرہ کرتے چلے۔ یوں تو بلوچی زبان کے بارے میں مورخ کا مختلف رائے ہیں۔ تاہم ڈاکٹر عبدالرزاق صابر اس پس منظر کو یوں بیان کرتے ہیں۔

"بلوچی زبان کی دیگر ایرانی زبانوں سے علیحدگی کے بارے میں مرزا طائر محمد خان کا خیال ہے کہ "سکندر نے جب 332 ق م میں ہخامنشیوں سے بادشاہت چھین لی تو ایران کی مرکزیت ختم ہوئی اور وہ ٹکڑوں میں بٹ گیا۔ ہر ٹکڑے نے الگ آزاد یونٹ کی حیثیت حاصل کی۔ اس کے بعد ان ٹکڑوں کو کبھی یکجا ہونا نصیب نہیں ہوا۔ یوں تو آشکانی دور (249 ق م 2146 میلادی) میں ایک بار پھر ایرانی بادشاہت بحالی ہوئی مگر

گذشتہ مرکزیت بحال نہیں ہوسکا۔اب ہر صوبہ الگ آزاد ملک بن چکا تھا۔اس طرح ہخامنشیوں کے بعد فرس قدیم کی ہمہ گیر حیثیت بھی ختم ہوئی۔ ہر علاقہ اور یونٹ کی الگ زبان اپنی سیاسی،سماجی اور جغرافیائی حالات کی وجہ سے الگ نشوونما پانے لگی۔اس عرصے میں فرس قدیم سے مزید زبانوں نے جنم لیا جو فرس قدیم کی بیٹیاں کہلاتی ہیں۔ان زبانوں کو ایرانی زبانیں بھی کہا جاتا ہے۔اس دور میں وسطیٰ ایران میں پہلوی اور ارد گرد کردی،گیلگی،بختیاری،گزی،سغدی،پشتو اور بلوچی کا ظہور ہوتا ہے۔" (صابر : 2021،ص 40)

جبکہ اگلے صفحات میں وہ اس کی مزید وضاحت یوں کرتے ہیں۔

"بلوچی زبان کی ذاد بوم اور اصل علاقہ مغربی ایران ہے جو بعد از اں مشرق اور بلوچستان میں پھیلی ہے۔بلوچی زبان کی اصل ترین خصوصیت یہ ہے کہ اس زبان کی ایران کی قدیم ترین زبانوں میں سے قرابت داری رہی ہے حتیٰ کہ آج کی فارسی سے بھی قریب ہے۔ چنانچہ قدیم ایرانی زبان کے بہت سے الفاظ معمولی تبدیلی سے اس زبان میں اب تک موجود ہیں۔اس زمانے میں لبوچی زبان زیادہ تر ماژندارنی اور گیلگی کے ایرانی لہجوں سے قریب ہے اور اس کے بعد کردی اور فارسی سے مشابہ ہے۔،بلوچی زبان فارسی کا چربہ یا اس کی بگڑی ہوئی شکل نہیں بلکہ دونوں زبانیں ہم دور اور ہم زمانہ ہیں ان کے درمیان اگر کوئی فرق ہے بھی تو بقول انور شاہ قحطانی وہ ان کے ظاہری لباس کے تراش خراش کا ہے کیونکہ فارسی نے خوبصورت لباس او رزیورات زیب تن کئے ہوئے ہیں اور بلوچی اپنی بے بسی کی وجہ سے پھٹے پرانے لباس میں ملبوس ہے "(صابر : 2021،ص،42)

یہ تو تھی بلوچی زبان کا پس منظر اسی طرح براہوئی زبان کے پس منظر کو بیان کرتے چلے اور یہاں بھی ڈاکٹر عبدالرزاق صابر کے تحقیق کو ہی سامنے رکھیں گے۔جو کہ بلوچستان میں بلوچی اور براہوئی زبانوں کے لسانی روابط کے حوالے سے کام کرنے والے محققین میں نمایاں نام ہیں۔

"علم بشریات (Anthropology) کے ماہرین اس بات سے اتفاق کرتے ہیں براہوئی علم بشریات کے تقاضوں کے مطابق دراوڑ نسل سے تعلق نہیں رکھتے ، پروفیسر رابنسن کا بھی یہی خیال ہے کہ" براہوئی ایرانی نسلی ہیں جنہوں نے دراوڑوں کی زبان اپنالی ہے لیکن ان میں کوئی دراوڑ نہیں،تاہم زبان اور نسل کا ایک دوسرے سے مختلف ہونا کوئی نئی بات نہیں۔براہوئی زبان کے بارے میں بلوچستان کے ایک

مقامی محقق میر گل خان نصیر کی رائے یکسر مختلف ہے ۔ان کا کہنا ہے کہ” براہوئی ان قدیم سیوائی قبائل کی زبان تھی جو قلات کے کوہستان میں بلوچی بولنے والے قبائل یا کردگالی (موجودہ براہوئی) بولنے والے قبائل کی آمد سے قبل آباد تھے ۔ براہوئی زبان کو بلوچستان کے ان علاقوں میں جہاں زمانہ قدیم میں زط یا جٹ آباد تھے اپنی زبان جدگالی کی طرح کردوں کی زبان” کردگالی“ کا نام دیا اس لئے اب تک بلوچستان کے ضلع لسبیلہ اور زیرین جھالاوان میں براہوئی اسی نام سے موسوم ہے ۔گل خان نصیر براہوئی کو کوشانی زبان کہتے ہیں ۔اور دراوڑی زبانوں سے ان کے تعلق کو غلط اور بے بنیاد قرار دیتے ہیں ۔اپنے اس دعویٰ کی دلیل میں وہ افغانستان کے مقام نادعلی (سیستان) سے برآمد شدہ آثار قدیمہ اور مسکوکات کو پیش کرتے ہیں اور ان پر قدیم خردشتی رسم الخط میں تحریر کو براہوئی زبان کی تحریر بتاتے ہیں ۔میر گل خان نصیر براہوئی قبائل کو کوچ ،کوچی ،یا قفس قرار دیتے ہیں ۔اگر براہوئی کوچ قبائل ہیں تو ان کے زبان کی بابت ہم ساتویں صدی عیسوی کے مشہور سیاح ابن حوقل کا یہ قول نقل کرتے ہیں جس میں وہ کوچ قبائل کی زبان کے بارے میں کہتے ہیں،” زبان مردم کرمان فارسی است جز قفص (کوچ) کہ علاوہ برآں زبان دیگری نیز دارند“(صابر: 2021،ص،64)

یہ رہی تاریخ اور تاریخی حقیقتیں.... مگر براہوئی زبان کے بارے میں یونیسکو نے جو خدشات ظاہر کی ہے کہ 21 ویں صدی میں معدوم ہونے والی زبانوں کی فہرست میں براہوئی بھی شامل ہیں ۔اس سلسلے میں موجودہ دور کے ادبی اداروں اور ادباءکی یہ ذمہ داری بنتی ہے کہ اس زبان کو معدوم ہونے سے بچانے کے لئے نہ صرف ادب کے میدان میں بلکہ میڈیا اور تدریسی عمل میں بھی بروئے کار لائیں تاکہ اس خطرے کو ٹالا جاسکیں ۔

اس سلسلے میں عارف ضیاء اپنی غیر مطبوعہ کتاب” براہوئی جدید ادب ایک جائزہ“ میں براہوئی زبان کے مستقبل کے عنوان کے تحریر مختلف تجاویز اور خیالات کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں ۔

” عصر حاضر میں براہوئی زبان کا ادب ،اصناف ادب کے حوصلہ افزاء معیار کے باوجود ان جدید اصناف ادب کے مقدار کی کمی کا شکار ہے ۔جدید نثری اصناف ادب ،ناول ،ناولٹ ،افسانہ ،سفرنامہ ،انشائیہ وغیرہ کی کتب کی تعداد انگلیوں پر گنی جاسکتی ہے ۔جو زبان اور راہل زبان کے لئے باعث تشویش ہے ۔جدید اصناف ادب کے نثری اور نظم کے سینکڑوں مسودے اشاعت کے مراحل سے گذرنے کے لئے تیار پڑے ہوئے ہیں مگر مصنفین کے پاس ان مسودات کی طباعت و اشاعت کے لئے مالی وسائل نہیں ہیں ۔مصنفین کی کتب

چھاپنے پر نہ تو کوئی پبلشر تیار ہوتا ہے اور نہ ہی کوئی مالی لحاظ سے مستحکم عالم و ادب دوست شخصیت ۔اس کی وجہ براہوئی کتب کی عدم فروخت ہے ۔ براہوئی معاشرہ میں کتب خرید کر پڑھنے کا کوئی رجحان نہیں ہے ۔اس لئے مصنف کو ایک کتاب پلے سے خرچ کر کے چھاپنے کے بعد اُس کی فروخت سے چند سو روپے بھی ہاتھ نہیں آتے اس لئے مصنف اپنے ذاتی اخراجات پر ایک کتاب چھاپنے کے بعد کئی برسوں تک دوسری کتاب کی اشاعت کے اخراجات برداشت کرنے کا متحمل نہیں ہوسکتا۔ براہوئی ادب کا مستقبل اصناف ادب کی تخلیق اور معیار کے اعتبار سے تو روشن اور تابناک ہے مگر قاری کی عدم دستیابی کی بناء پر طبع شدہ کتب کی الماریوں کی زینت بن کر کرم خوردہ ہونے اور مسودات کی عدم اشاعت براہوئی ادب کے لئے ایک لمحہ فکریہ ہے ۔حکومت، سرکاری و نیم سرکاری اداروں، ادبی اداروں اور علم و ادب شخصیات کو اس قدیم زبان اور اس کے ادب کو زندہ رکھنے کے لئے مسودات کی اشاعت اور لائبریریوں اور مطالعہ کے لئے انفرادی سطح پر کتب کی خرید کی روایہ کو فروغ دینا لازمی ہے ۔"(ضیائغیر مطبوعہ :ص 175-176)

مذکورہ بالا دونوں زبانوں بلوچی اور براہوئی کے مشترکہ ثقافتی ،ثقافتی اقدار، امور خانہ داری ،اشیائے خورد نوش، پہاڑ اور زمین سے متعلقات، بیماریاں اور علاج معالجے،کشیدہ کاری، توہمات، شادی غمی کے رسومات،تفریحات،معاشیات، ساز و موسیقی ،دستکاری،کھیتی باڑی ،آبپاشی اور دیگر مشترکہ خزائن کے بارے میں ذکر کیا جائے تو اس کے لئے مقالے کی طوالت کا ڈر ہے ۔مگر مختصر اس حوالے سے مشترکیات کے بارے میں ڈاکٹر عبدالرزاق صابر اپنے تحریر کرتے ہیں ۔

"بلوچی اور براہوئی بولنے والے قبائل تاریخ کے مختلف ادوار میں کہیں کوچ و بلوچ کی صورت میں ،کہیں براخوئی اور زنگنہ یا ادرگانی کی صورت میں، اور اب بلوچ کانفیڈریسی کی صورت میں ایک دوسرے کے شانہ بشانہ رہتے چلے آرہے ہیں ۔اس تمام تاریخی اور تہذیبی سفر میں نہ صرف ان دونوں زبانوں کے بولنے والوں کے رسم و رواج نے مشترک صورت اختیار کرلی ہے ۔بلکہ ان رسوم کے بیشتر نام بھی دونوں زبانوں میں مشترک ہیں ۔جس کی وجہ سے دونوں زبانوں میں مشترک ثقافتی الفاظ کا ایک وافر ذخیرہ تشکیل پاچکا ہے ۔ان الفاظ میں سے اکثر کے ماخذ کے بارے میں بتانا مشکل ہے کہ اس لفظ کا اصل ماخذ بلوچی ہے یا براہوئی ۔اس کے علاوہ دونوں زبانوں نے ایک دوسرے سے مستعار لئے ہوئے الفاظ میں اپنے اپنے صوتی مزاج اور ضرورتوں کے تحت صوتی اور ترکیبی تبدیلیاں بھی لائی ہیں ۔ایسے الفاظ کی ایک طویل فہرست ہے جس میں معمولی رد و بدل

کے باوجود ان کا ہم ماخذ ہونا اور دونوں میں یکساں استعمال واضع طور پر نظر آتا ہے ۔"(صابر : 2021،ص 256)

جہاں تک موجودہ جدید سائنس اور ٹیکنالوجی کے دور میں دنیا بھر کے زبان اور ادب کے تخلیقات اپنے قاری کی رہنمائی کے لئے ہر ممکن کوششیں کر رہے ہیں ۔مگر اگر اس سلسلے میں پسماندہ اور تیسری دنیا کے اقوام کی زبان ،ثقافت اور تاریخ کے حوالے سے زیادہ سے زیادہ تحقیق اور تخلیق کی ضرورت ہے ۔تاکہ وہ بھی آج کی ضرورتوں کے مطابق اپنی بقاء کی جنگ میں کسی سے پیچھے نہ رہ جائے ۔

نتائج

سب سے بڑی ضرورت ،مذاکروں ،سیمیناروں اور کتابوں کی اشاعت کے ساتھ ساتھ ایک مکمل اور طاقتور میڈیا کی بھی ضرورت ہے تاکہ ان زبانوں کو نہ صرف ہمسایہ اقوام اور زبانوں میں متعارف کرواسکیں بلکہ نت نئے ایجادات اور سائنس اور ٹیکنالوجی کے ترقی کے ہمراہ ہم قدم ہو کر اپنا کردار ادا کریں ۔تاکہ آج کا طالبعلم اور زبان اور ادب سے تعلق رکھنے والے افراد کی بہتر انداز میں آگاہی مہیا ہوسکیں ۔

ساتھ ہی حکومت اور ریاستی اداروں کی بھی ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ اس سلسلے میں خاطر خواہ اقدامات اٹھائے تاکہ ہم یہ کہہ سکیں کہ وہ اپنی ذمہ داریوں سے غافل نہیں

حوالہ جات

صابر،ڈاکٹر عبدالرزاق) 2021(براہوئی اور بلوچی کے لسانی روابط،براہوئی ادبی سوسائٹی پاکستان کوئٹہ

قادری کامل) 2021(براہوئی کہاوتیں،بک پلس کوئٹہ

بیدار عبدالقیوم) 2013(براہوئی نسائی ادب،براہوئی ادبی سوسائٹی پاکستان کوئٹہ

رومان،پروفیسر انور) 2005(براہوئی لوک کہانیاں،ادارہ تصنیف وتحقیق کوئٹہ

ضیاء،عارف،براہوئی جدید ادب ایک جائزہ،غیر مطبوعہ

***

مرزا اطہر بیگ کی ناول نگاری
بحوالہ("حسن کی صورت حال" خالی۔۔۔۔۔جگہیں۔۔۔۔ پُر۔۔۔۔کرو")

* ڈاکٹر خدیجہ شاہد

Novel writing of Mirza Ather Baig (Hasan Ki Surat-e-Haal: Khali Jaghain Pur Karo

Dr. Khadija Shahid

The main subject Hasan Ki Surat-e-Haal: Khali Jaghain Pur Karo is that man has entangled in this mechanic world to such an extent that he can hardly find time for himself; when he wants to contradict his state of mind,emotions and gets involved in the normal worldly matters he get frurtrated, then he tries to get out of this mental agitation but fail.Because he has been confisticated.while the man surrounded by machanism has been discribed in the novel,on the other hand the lust for money ,and sexual desire that is fulfilled by unfair means has been presented in the novel.And along with these, the lusts of empowerment over the world can be seen in every character of the novel.Overall the novel is an example of moral diminution.It is so apt to say that Mirza Ather Baig has proved himself a successful novelist of 21st century by composing Hasan Ki Surat-e-Haal with the tinge of philosophy ,history,criticism,psychology,allegory and biography.

---

* گورنمنٹ ایسوسی ایٹ کالج برائے خواتین، گوجرانوالہ

’’حسن کی صورت حال‘‘ خالی ۔۔۔۔۔جگہیں ۔۔۔۔ پُر۔۔۔۔۔کرو‘‘ ناول متنوع موضوعات کا حامل ہے ۔جن میں انسان کا مادیت پسندانہ رویہ، دوسروں پر غلبہ پانے کی شدید خواہش، اپنی شناخت اور پہچان، خود کو منوانے کی سعی، جنسی اجتماعی زیادتی، واقعات، بدلتے لمحات، بیگانگی، یقین، فریب دھوکا دہی، بندگی، نجات کی خواہش اور اقرار وانکار، تاریخ، فلسفہ، سیاست، ثقافت نظریاتی مباحث کے عناصر مل کر ناول کی کہانی کی بنت کاری کرتے ہیں ۔’’حسن کی صورت حال خالی۔۔۔۔۔جگہیں۔۔۔۔۔ پُر۔۔۔کرو‘‘ بظاہر ایک کرداری ناول ہے لیکن اس میں حسن رضا ظہیر کی کہانی کے ساتھ کئی اور دنیا بھی آباد ہیں ۔جہاں تحقیق، خرد افروزی، فلمی دنیا، کباڑ خانہ، گینز بک آف ریکارڈز کے بارے میں ہمیں معلومات ملتی ہیں اور یہ کہ کس طرح لوگ اپنے مقاصد حاصل کرنے کے لیے تمام حدود پار کر لیتے ہیں ۔کرداروں کے ذریعے مصنف نے انسانی ہوس، غالب آنے کی آرزو میں جائز و ناجائز طریقوں کا استعمال کر کے دنیا میں نام پیدا کرنے والی شخصیات پر روشنی ڈالی ہے ۔

روز ازل سے ہی انسان آزادی کا خواہش مند ہے ۔اپنی پہچان، کھوج اور جستجو کا عمل ہر دور میں وقت کے حساب سے جاری و ساری ہے ۔انسان میں آزادی اور غلامی کی جو کشاکش ہے وہ مرزا اطہر بیگ کے ناول ’’غلام باغ‘‘ میں وقوع پزیر ہوئی ۔’’غلام باغ‘‘ انوکھی تکنیک، اسلوب کے ساتھ ۲۰۰۶ء میں منظر عام پر آیا اور اتنا مقبول ہوا کہ اس کا دوسرا ایڈیشن ۲۰۰۷ء میں آ گیا۔آزادی کی خواہش معاشرے میں مثبت چیز ہے لیکن اگر غور کریں تو یہ غلبہ کے حصول کی کوشش ہے ۔ہر شخص دوسرے کو مغلوب کرنے کی دوڑ میں لگا ہوا ہے اور اس کے لیے وہ ہر جائز اور ناجائز کام بھی کرتا ہے ۔اس بنیادی خواہش کو پورا کرنے کے لیے مختلف طریقے اپناتا ہے ۔ناول کے تمام کردار دوسرے پر غلبہ چاہتے ہیں ۔ یاور عطائی خود کو منوانے کے لیے انعام گڑھ سے شہر آ کر بس جاتا ہے ۔وہاں کے ارباب بست و کشاد کا علاج کرتا ہے ۔بڑے بڑے لوگ یارو عطائی سے اپنی مردانہ قوت میں اضافے کے لیے آتے ہیں ۔اس نے بڑے بڑے لوگوں کو اپنا غلام بنا رکھا ہے ۔ یارو عطائی اپنے گھر میں پارٹی دیتا ہے ۔اس کا دوست امبر جان یارو عطائی کے گھر میں ہونے والی پارٹی میں اس کی بیٹی زہرہ کو اپنی ہوس کا نشانہ بنانے کی کوشش کرتا ہے ۔ یاور عطائی اس منظر کو برداشت نہیں کر پاتا اور اُس کی موت ہو جاتی ہے ۔زہرہ کی ماں اور بھائی الگ گھر میں رہتے ہیں اس کی ماں کا کہنا ہے کہ یاور عطائی نے اس سے جھوٹ بول کر اپنی حیثیت کو چھپا کر اُس سے شادی کی تھی ۔اپنی ماں کے برعکس زہرہ اپنے والد کی اصل حقیقت کو جاننے کی کوشش کرتی ہے ۔زہرہ کے کردار میں اپنے باپ کی طرح تجسس پایا جاتا ہے ۔

جو اسے اصل تہہ تک پہنچنے کی کوشش میں انعام گڑھ لے آتا ہے ۔کبیر مہدی اپنی عجیب و غریب باتوں سے لوگوں کو چونکا دیتا ہے ۔اس کا بنیادی مقصد لوگوں کو نفسیاتی دباؤ میں رکھنا ہے جو اپنی تحقیق و تصنیف سے اپنے قلم کے ذریعے خود کو تسلیم

کروانا چاہتا ہے۔ ہاف مین اپنی تحقیق و جستجو کو لے کر جنون کی حد تک جاتا ہے۔ناول میں آزادی اور غلامی کو بنیادی مو ضوع بنایا گیا ہے کہ انسان کس حد تک آزاد ہے۔آزادی اور غلامی کی جنگ کسی نہ کسی صورت انسان میں جاری و ساری رہتی ہے۔انسان اپنے تحفظات کے لیے بہت سی حدود کو عبور کرتا ہے۔آزادی اور غلامی کی جنگ آج کے انسان میں زیادہ شدت کے ساتھ پائی جاتی ہے۔

''غلام باغ''ایک انوکھی نوعیت کا حامل عنوان ہے۔اس عنوان کی دو سطحیں ناول میں ملتی ہیں۔ایک تو یہ ناول میں آثار قدیمہ رکھنے والی جگہیں ہیں جو اپنی تاریخ اور تہذیب کے حوالے سے اہمیت رکھتی ہیں۔اسی غلام باغ میں ایک کیفے ہے۔کیفے کو غلام باغ کا نام دیا گیا ہے۔اس کیفے میں کچھ دوست خوش گپیوں میں مصروف رہتے ہیں۔کہیں نہ کہیں ناول کی ساری کہانی کا تانابانا اسی کیفے سے جڑا رہتا ہے۔ناول کے تمام کردار اسی کیفے میں اکٹھے ہوتے ہیں اور زندگی کے مختلف موضوعات پر گفتگو کرتے ہیں۔ناول کے مرکزی کردار (کبیر مہدی، ڈاکٹر ناصر، ہاف مین اور زہرہ) شروع سے آخر تک اپنے وجود کا احساس دلاتے رہتے ہیں۔تینوں مرد کردار زہرہ کے لیے اپنے آپ کو کافی سمجھتے ہیں اور خود کو منوانے کی چاہ میں بھاگ دوڑ کرتے رہتے ہیں۔اس کے ساتھ ساتھ ناول کی کہانی یاور عطائی کی زندگی کے گرد گھومتی ہے۔یہ کردار ارزل نسل سے تعلق رکھنے کے باوجود اپنی ذہانت سے معاشرے میں باعزت مقام حاصل کر لیتا ہے۔ناول ''غلام باغ'' کے تمام کردار نامعلوم کی کھوج تجسس اور خود کو منوانے کی چاہ میں جنون پاگل پن کا مظاہرہ کرتے ہیں۔حقیقت کی تلاش اپنی ذات کی محرومیوں انسان کی بے بسی خالی پن انسانی زندگی اور اس سے ملحق رویوں کو زیر بحث لایا گیا ہے۔مجموعی طور پر اپنے موضوع، اسلوب، ہیت اور کردار نگاری سبھی حوالوں سے ایک منفرد ناول ہے۔اُردو کے افسانوی ادب میں اپنی نوعیت کا واحد تجربہ ہے۔

مرزا اطہر بیگ کا دوسرا ناول ''صفر سے ایک تک'' ۲۰۰۹ء میں شائع ہوا۔یہ ناول سائبر اسپیس کے ایک منشی کی سرگزشت ہے۔جس کو اطہر بیگ نے اپنے جدید اور انوکھے رنگ میں پیش کیا ہے۔ناول میں جاگیرداری نظام کے مختلف پہلوؤں کو عیاں کیا ہے اور ناول میں ان موجودہ مسائل کو بیان کیا گیا ہے جو جدتوں کی بنا پر معاشرے میں فروغ پا رہے ہیں۔ایک طرف انسان پوری دنیا سے جڑا ہوا ہے اور دنیا سمٹ کر آفاقی گاؤں میں تبدیل ہوگئی تو دوسری طرف تنہائی اور داخلی کرب کا شکار ہے اور انسان اپنی ہی ذات کو سمجھنے سے قاصر ہوتا جا رہا ہے۔معاشرے کی تلخ حقیقتوں کو بیان کرتے وقت بنیادی طور پر اس معاشرتی نظام کو پیش نظر رکھا ہے۔ناول میں ایک ایسا خاندان دیکھا گیا ہے جو

صدیوں سے کوتل سالاروں کا منشی ہے ۔لیکن ناول کا مرکزی کردار ذکاء اللہ عرف ذکی، ذکو اور اس کا بڑا بھائی ثناء اللہ بچپن سے ہی سوچتے ہیں کہ وہ سالاروں کے منشی نہیں بنیں گے۔ منشی گیری کا ریکارڈ ذکاء اللہ کے والد منشی عطا اللہ کے پاس محفوظ تھا۔ جیسے ذکاء اللہ کمپیوٹر میں محفوظ کرتا ہے تاکہ ضرورت کے وقت اسے استعمال کر سکے۔حیات محمد سالار کے بیٹے فیضان سالار اور ذکاء اللہ ایک ساتھ میٹرک کا امتحان پاس کرتے ہیں۔لیکن پیسوں کی کمی کی وجہ سے ذکاء اللہ میڈیکل میں نہ جاسکا۔اس کا بھائی اسے کمپیوٹر ٹیکنکل کورس کرنے کے لیے فیضان کے ساتھ لاہور بھیجتا ہے ذکاء اللہ سوچتا ہے کہ فیضان کی منشی گیری نہیں کرے گا۔لیکن آغاز سفر سے یہی وہ منشی گیری پر تعینات ہو جاتا ہے۔لاہور پہنچے کے بعد فیضان سالار ذکی کو اپنے ساتھ اپنے بنگلے پر لے آتا ہے۔ایک شام فیضان سالار کو سالاروں کی پارٹی میں فرانسیسی خاتون سے محبت ہو جاتی ہے۔اُس سے بات کرنے کے لیے سالار ذکاء اللہ کو بھجتا ہے وہاں بھی ذکاء اللہ طنز آمیز فقروں کا نشانہ بنتا ہے۔

''صفر سے ایک تک'' ناول کو پڑھتے ہوئے ''غلام باغ'' کا ذائقہ محسوس ہوتا ہے۔''غلام باغ'' کا کردار کبیر مہدی اور ''صفر سے ایک تک'' کا کردار ذکاء اللہ دونوں کی ذہنیت ایک جیسی دکھائی دیتی ہے۔ دونوں کا بنیادی مقصد دوسروں پر غلبہ پانا ہے دونوں اپنے مقصد میں ناکام رہتے ہیں۔مقصد کے علاوہ ان دونوں کرداروں کی عادات بھی ملتی جلتی ہیں۔کسی بھی بات کے ردعمل میں دونوں ''گھسیٹا کاری'' (لکھنا) شروع کر دیتے ہیں۔منشی ذکی کمپیوٹر پروگرامنگ کے ذریعے غالب آنا چاہتا ہے۔اس کے لیے تحقیق و جستجو کرتا رہتا ہے۔اور نئے نئے پروگرام بناتا ہے۔سالار خاندان جو صدیوں سے اُن پر غالب ہے۔لیکن نئی نسل میں ذکا اللہ اُن پر غالب آنا چاہتا ہے اور اس کے لیے ناول میں جگہ جگہ کہتا ہے۔**''سالار میرا ہے، سالار میرا ہے''** ناول میں سالار خاندان ہمارے معاشرے کی اپر سوسائٹی کا نمائندہ ہے جو نچلے درجے سے تعلق رکھنے والے لوگوں کو اپنے مقصد کے لیے استعمال کرتے ہیں اور ہر طرح سے دوسروں پر اجارہ داری قائم کرنے کی کوشش کرتے ہیں جہاں جاگیردارنہ نظام کی تصویر کشی کی گئی وہاں سماج میں نچلے درجے سے تعلق رکھنے والے لوگوں کو اپنی محرومیوں کا بدلہ لینے کی بھی عکاسی کی گئی ہے۔

اس ناول میں جاگیرداری نظام میں روا رکھے جانے والے معاشرتی ظلم واستبداد کو موضوع بنایا ہے۔ایسا نظام جو صدیوں سے چلا آرہا ہے۔اس کی جھلکیاں دکھائی دیتی ہیں۔''صفر سے ایک تک'' ناول سماج میں ظالم اور مظلوم کی کہانی ہے۔مرزا اطہر بیگ کے ناولوں میں ہم جن کرداروں سے متعارف ہوتے ہیں وہ ہمہ وقت غلبہ پانے کی جستجو میں مصروف دکھائی دیتے ہیں۔ناول کا مرکزی کرادر جدید ٹیکنالوجی کے ذریعے غلبہ حاصل کرنے کا خواہش مند ہے

۔ذ کاء اللہ عرف ذ کی ان لوگوں پر غلبہ چاہتا ہے ۔ جو صدیوں سے نسل در نسل ان لوگوں کو اپنا غلام بنائے ہوئے ہے ۔ اسی طرح ''غلام باغ'' کا ہر کردار دوسرے کردار پر غالب آنا چاہتا ہے ۔ خواہ وہ یاروعطائی کی شکل میں ہو جو اپنی ارزل نسل کا بدلہ بڑے بڑے روساء کی نامردی کا علاج کر کے لیتا دکھائی دیتا ہے ۔ ''غلام باغ'' کا مرکزی کردار کبیر اپنے قلم کے ذریعے بڑے بڑے لوگ جو معاشرے میں شہرت حاصل کیے ہوئے ہیں ان کو بے نقاب کر کے دنیا میں خود کو منوانا چاہتا ہے ۔

''حسن کی صورت حال'' خالی ۔۔۔۔۔ جگہیں ۔۔۔۔ پُر ۔۔۔۔۔ کرو' مرزا اطہر بیگ کا تیسرا بڑا ناول ہے ۔ ''حسن کی صورت حال'' میں بھی مرزا اطہر بیگ کے کرداروں کی دنیا پر غلبہ حاصل کرنے کی روایت برقرار رہتی ہے ۔ ''غلام باغ میں یہ روایت ایک کردار کا دوسرے کردار پر غالب آنے کی خواہش کے ساتھ وقوع پذیر ہوتی ہے جبکہ ''صفر سے ایک تک'' میں ایک کمزور نسل طاقتور نسل کو پس پشت کر کے اپنا بدلہ چاہتی ہے ۔ لیکن ''حسن کی صورت حال'' خالی ۔۔۔۔۔ جگہیں ۔۔۔۔۔ پر ۔۔۔۔۔ کرو میں غالب آنے کی خواہش بہت زیادہ بڑھ جاتی ہے اور اس کے کردار مثبت یا منفی انداز سے دنیا پر غلبہ حاصل کرنے کے تمنائی نظر آتے ہیں ۔ ناول ''حسن کی صورت حال'' میں پروفیسر صفدر سلطان اپنے قلم کے ذریعے دنیا میں اپنا لوہا منوانا چاہتا ہے تا کہ ادبی دنیا اور ادبی حلقوں میں اُس کی شہرت ہو لیکن جب پروفیسر صفدر سلطان کا لکھا ہوا مسودہ ردی میں بک جاتا ہے تو وہ کباڑیا کی دکان پر پڑی ہوئی ردی کی چیزوں کو استعمال کر کے جدید ٹیکنالوجی کی نت نئی چیزیں ایجاد کرتا ہے ۔ بہت سی چیزوں کی ایجادات میں پروفیسر نے ایک ایسا پودا ایجاد کیا ہے جو آدم خور ہے ۔ انسانی خون سے اس پودے کی پیاس بجھتی ہے ۔ یہ پودا پروفیسر نے دوسرے ملکوں کے انسانوں کو ختم کرنے کے لیے بنایا ہے ۔ تا کہ یہ پلانٹ دشمن مما لک کے تمام انسانوں کو ختم کر دے اور وہ دنیا پر غالب آسکے ۔ سعید کمال اپنی انڈسٹری میں نام پیدا کرنا چاہتا ہے ۔ جس کے لیے وہ انیلا بلال اور سیف اللہ سیفی (رائٹر ۔۔۔۔ رپورٹر) جیسے لوگوں سے پس پردہ کام کرواتا ہے ۔ ناول کا ہر کردار دنیا میں نام پیدا کرنے اور غالب آنے کے لیے جدوجہد کرتا دکھائی دیتا ہے ۔

ناول کا پیش خیمہ ''مرزا اطہر بیگ'' کا افسانہ 'اچٹتے خوف کی داستان'' سے بنتا ہے ۔ اردو ادب میں یہ پہلا تجربہ ہے کہ افسانے کو ناول کے وسیع کینوس میں پھیلایا ہے ۔ ان کا یہ افسانہ ۲۰۰۹ء میں گورنمنٹ کالج لاہور کے ادبی جریدے ''راوی'' میں شائع ہوا تھا ۔[1] اس افسانے کو ناول کا پیرایہ بیان دینے کی بابت مرزا اطہر بیگ کا کہنا ہے کہ

''جب انہوں نے یہ مختصر افسانہ لکھا تو اپنے اندا اضطراب کی کیفیت پائی اور محسوس کیا اس کے کئی حصوں میں پھیلاؤ کی گنجائش موجود ہے ۔ جب پھیلاؤ کو سپرد قلم کرنے کا عمل شروع ہوا تو پھر بات سے بات نکلتی چلی گئی اور بالا آخر یہ پورا ناول تیار ہو گیا'' [۲]

''حسن کی صورت حال خالی ۔۔۔۔۔جگہیں ۔۔۔۔پُر ۔۔۔۔۔کرو'' ایک جدید، منفرد اور انوکھا ناول ہے ۔ داستانی انداز اپناتے ہوئے موضوع اور تکنیک ہر دو حوالوں سے یہ ناول اردو فکشن میں ایک نیا تجربہ ہے ۔ناول اکیس ابواب پر مشتمل ہے جو متنوع موضوعات کا حامل ہے جن میں انسان کا مادیت پسندانہ رویہ، دوسروں پر غلبہ پانے کی شدید خواہش ،اپنی شناخت اور پہچان منوانے کی سعی ،جنسی اجتماعی زیادتی ، واقعات ،بدلتے لمحات ، بیگانگی ،یقین ،فریب دھوکا دہی ، بندگی ،نجات کی خواہش اور اقرار وانکار ،تاریخ ،فلسفہ ،سیاست ،ثقافت نظریاتی مباحث، کے عناصر مل کر ناول کی کہانی کی بنت کاری کرتے ہیں ۔

ناول کا آغاز حسن رضا ظہیر کی حیرانیوں اور تعجب انگیز تصورات سے شروع ہوتا ہے جس کا ایک ہی مشغلہ ہے کہ مختلف مناظر کو دیکھنے کے بعد اپنی حیرت کے ساتھ خالی جگہیں کو پر کرنا ہے ۔حسن رضا ظہیر بظاہر حقیقی زندگی کا ایسا کردار ہے ۔ جو اپنے اردگرد کے حالات اور ماحول کا سرسری مشاہدہ کرتا ہے اس مشاہدے کے دوران جو مناظر اس کی نگاہوں سے گزرتے ہیں ۔ان کی تفہیم اپنے خیالات اور تصورات سے کرتا ہے ۔جنہیں ناول کا مصنف خالی جگہیں پر کرنے کا نام دیتا ہے ۔ناول کا مرکزی کردار مختلف مناظر کو سرسری طور پر دیکھتا ہے اور اس کی حقیقت کو اپنے خیال کے مطابق پر کر کے نتائج اخذ کرتا ہے ۔ یہ صورت حال آج کے موجود انسان کی معروضی اور موضوعی کشمکش کی طرف اشارہ کرتی ہے ۔ انسان تیز رفتاری کے اس دور میں اپنی زندگی کی دوڑ میں مصروف ہے لیکن اس مصروفیت کے باوجود جب وہ اپنے اردگرد سماج پر ایک نگاہ ڈالتا ہے تو اس میں کوئی اعلی بات نہیں ہے ۔حسن رضا ظہیر ایک ایسا شخص ہے جو دنیا میں عصر حاضر کے جدید انسان کا استعارہ ہے جب اٹکاؤ کے لمحات یا کوئی خوفناک منظر اُس کا پیچھا کرتا ہے تو اُسے اپنے فہم کے مطابق پورا کرتا ہے تا کہ وہ خوف زدہ نہ ہو سکے ایک سطح پر یہ کردار معاشرے پر کڑی تنقید ہے کہ انسان اتنا خودغرض ہو گیا ہے کہ بہت سے خوفناک مناظر کو دیکھنے کے بعد بھی اس کے دل میں راز کو جاننے کی خواہش پیدا نہیں ہوتی انسان یہ نہیں سوچتا کہ اس منظر کے پیچھے کوئی اس کی مدد کا منتظر ہو سکتا ہے ممکن ہے اس کا اصل حقیقت کو جاننے کے لیے وہاں جانا کسی دوسرے کے لیے روشنی کی کرن ثابت ہو ۔زندگی کی گہما گہمی میں انسان اتنا الجھ گیا ہے کہ کسی دوسرے کے لیے

اس کے پاس کوئی وقت نہیں کسی کی تکلیف میں پریشان نہیں ہوتا اس کو صرف اپنی ہی پریشانی دکھائی دیتی ہے۔ حسن رضا ظہیر نے اپنے متبادل منظر ناموں میں کسی ایک کی تصدیق بھی کبھی حقیقی ذرائع سے کرنے کی کوشش نہیں کی۔ بلکہ اپنے تمام سوالوں کے ایسے جواب تلاش کیے کہ پھر کوئی خوف کا لمحہ اُس کا پیچھا نہ کر سکا۔ ایسے اٹکاؤ کے لمحات کی درجنوں مثالیں ہیں لیکن کسی ایک کو جاننے کی کوشش نہ کی گئی۔

انہی چند لمحوں میں حسن کو دائیں گلی کے پہلے مکان کی سڑک کی جانب کھلتی بند کھڑکی کے ٹوٹے شیشے کی راہ سے اندر کمرے میں دیوار پر ایک بڑا آئینہ آویزاں نظر آتا ہے جس کے وسط میں کسی بڑی ضرب کے نتیجے میں ٹوٹتے ستارے جیسا نشان بنا ہے، اور وہیں سے خون کی تین لکیریں نیچے کو اترتی ہیں۔ اگلے دس برسوں کے دوران وہ لکیریں سیاہ ہوگئیں۔ آئینہ دھندلا گیا اور ٹوٹتے ستارے جیسی ضرب بھی اتنی نمایاں نہ رہی لیکن حسن نے اس منظر کو کبھی مکمل طور پر نظر انداز نہ کیا یعنی وہ ہوش مندانہ نظارہ بازی کی لاتعلقی کی بنیادی شرط پر قائم نہ رہ سکا"۔ ۳۱

حسن رضا ظہیر جس میں مصنف نے اعتماد کی کمی بتائی ہے جب کہ اعتماد کی کمی کے برعکس یہ کردار پُر اعتماد محسوس ہوتا ہے۔ اپنی سوچ کے مطابق مناظر کو دیکھ کر کہانی گھڑتا ہے اور اسے حقیقی تصور کر کے مطمئن ہو جاتا ہے لیکن اس کردار میں تبدیلی اس وقت رونما ہوتی ہے۔ جب حسن رضا ظہیر کی ترقی بطور سینیئر اکاؤنٹ کر دی جاتی ہے۔ حسن رضا ظہیر کی کمپنی کے ہیڈ آفس میں ٹرانسفر ہو جاتی ہے تو حسن شدید محرومی سے دوچار ہو جاتا ہے جو دنیا اس نے کمپنی سے گھر اور گھر سے کمپنی کے سفر کے دوران تخلیق کی تھی وہ اب ناپید ہو جاتی ہے۔ یہ ایک عام شخص کا کردار ہے جو سیر وتفریح کی لطف اندوزی کے لیے اپنی مصروف زندگی سے کچھ حصہ لیتا ہے اور اتنا ہی ان چیزوں کے ساتھ جڑتا ہے جتنا اُس کے سفر کا دورانیہ ہوتا ہے۔ مسلسل بہاؤ کے منجمد لمحات کی خالی جگہوں کو اپنے خیالات سے آگے بڑھاتا اور قاری کو حیران کرتا نظر آتا ہے۔ اس کے تصورات سے قاری ایسے ایسے واقعات کا نظارہ کرتا ہے۔ جن سے انسان چونک جاتا ہے حسن رضا ظہیر کا لوگوں کو حیران کرنا مرغوب مشغلہ ہے۔ پہلا باب "اچلتے خوف کی داستان" ختم ہونے سے پہلے بتایا جاتا ہے کہ حسن رضا ظہیر کی کہانی ختم ہوگئی ہے لیکن کچھ کہانیاں کبھی ختم نہیں ہوتی کیونکہ حیرت تحیر اور استعجاب ہمیشہ رہتے ہیں۔

خود مختاریت اور آزادی ہر ذی روح کی ازلی خواہش رہی ہے اور آزادی کا یہ جھونکا حسن کی زندگی میں اس وقت آتا ہے جب حسن کمپنی کے کام کے سلسلے میں شہر سے باہر جاتے ہوئے راستے میں بچے کی آواز میں نرسری پوئم بابا بلیک شیپ سنتا ہے پھر ڈرائیور بے ہنگم ٹریفک سے بچنے کے لیے ایک متبادل راستہ اختیار کرتا ہے۔ جو میلوں تک

سورج مکھی کے کھیتوں سے گزرتا ہے لاکھوں سورج مکھی کے پھولوں کی بکھری ہوئی زرد فضا میں حسن مبہوت ہو کر رہ جاتا ہے۔ حسن گاڑی سے اتر کر کھیتوں میں چلنے لگتا ہے۔ آگے چل کر اس نے موت کے کنویں میں موٹر سائیکل چلانے والے کے پیچھے بیٹھ کر کنویں کے چکر لگائے اور خوش ہو کر کہتا ہے" دیکھو میں اڑ رہا ہوں"۴؎ میلے سے حسن کسی گاڑی میں بیٹھ کر چلا جاتا ہے اور تین دن غائب رہنے کے بعد چوتھے دن ڈیوٹی پر واپس آتا ہے اور اپنی زندگی کے پچھلے تین دنوں کے بارے میں کسی کو نہیں بتاتا۔ ایسے خوشی کے لمحات اسے پہلے کبھی نصیب نہیں ہوتے۔ ناول کے اختتام پر بھی حسن سورج مکھی کے کھیتوں کو یاد کرتا اور نرسری پوئم بھی پڑھتا ہے۔ BA BA BLACK SHEEP۵ سوچتا ہے کہ وہ چھوٹا لڑکا کہاں رہتا ہے جس کی آواز میں اس نے پوئم سنی وہ لڑکا حسن سے باہر کہیں نہیں ہوتا بلکہ وہ اس کے اندر ہی ہے۔ اس کردار نے اپنے گرد ایک حصار قائم کیا ہوا ہے جو خود حسن رضا ظہیر کے سوا کوئی اور نہیں توڑ سکتا اپنی اس دنیا میں حسن رضا ظہیر کسی دوسرے کی مداخلت نہیں چاہتا۔ چیزوں کی اچٹتی منظر بینی سے لذت اٹھاتا ہے اور یہ ہی اس کی حقیقی ذاتی زندگی ہے۔ اقبال خورشید نے اس ناول کے بارے میں لکھا ہے۔ کہ" یہ ناول حسن کی صورت حال کی بجائے مرزا اطہر بیگ کی صورت حال ہے۔"۶؎

"حسن کی صورت حال خالی۔۔۔۔۔ جگہیں۔۔۔۔۔ پُر۔۔۔ کرو" بظاہر ایک کرداری ناول ہے لیکن اس میں حسن رضا ظہیر کی کہانی کے ساتھ کئی اور دنیا بھی آباد ہیں جہاں تحقیق، خرد افروزی، فلمی دنیا، کباڑ خانہ، گینز بک آف ریکارڈز کے بارے میں ہمیں معلومات ملتی ہیں اور یہ کہ کس طرح لوگ اپنے مقاصد حاصل کرنے کے لیے تمام حدود پار کر لیتے ہیں۔ کرداروں کے ذریعے مصنف نے انسانی ہوس، غالب آنے کی آرزو میں جائز و ناجائز طریقوں کا استعمال کر کے دنیا میں نام پیدا کرنے والی شخصیات پر روشنی ڈالی ہے۔

ناول کی کردار نگاری نہایت مضبوط بنیادوں پر استوار کی گئی ہے۔ ہر کردار زندہ حقیقی زندگی سے لیا گیا ہے اگرچہ مرزا اطہر بیگ نے کردار نگاری کے فن کو بڑی خوبصورتی سے نبھایا ہے لیکن کرداروں کے حوالے سے قاری اس وقت شدید الجھن کا شکار ہوتا ہے جب بعض کرداروں کو ایک ہی نام دیا جاتا ہے جبکہ ان کی پہچان ان کے مختلف پیشوں سے وابستہ ہونے کے حوالے سے ممکن ہوتی ہے مثلاً ناول میں صفدر سلطان نام کے تین کردار ہیں جنہیں ناول نگار نے سیٹھ صفدر سلطان، پروفیسر صفدر سلطان، حوالدار صفدر سلطان جب کہ سعید کمال (ڈائریکٹر) سعید کمال (باڈی بلڈر) سعید کمال (مترجم) سعید کمال (ایس پی)، انیلا بلال (رائٹر) انیلا بلال میلے میں تھیٹر کی اداکارہ اور اس سے بڑھ

کر ''یہ فلم نہیں بن سکتی''، سکرپٹ میں بھی کرداروں کے یہی نام رکھے ہیں۔ ''ناموں میں کیا رکھا ہے۔ اگر مصنف کچھ زیادہ بہادری کا مظاہرہ کرتا تو تمام کرداروں کو ایک ہی نام دے سکتا تھا۔لیکن یہ شاید قارئین پر ستم ڈھانے کے مترادف ہوتا''۔ؔ۔ انیلا بلال، صفدر سلطان، سعید کمال، سیفی جو ایک فلم گروپ سے تعلق رکھنے والے لوگ ہیں لیکن ان کرداروں کے ذریعے سوسائٹی میں ترقی کی چاہ رکھنے والے ایسے افراد سامنے آتے ہیں جو اپنے مقصد کو پانے کے لیے کچھ بھی کرنے کو تیار ہیں۔ یہ کردار ایسی فلم بناتے ہیں جو کبھی نہیں بن سکتی۔فلم کے عنوان کے اعتبار سے ''یہ فلم نہیں بن سکتی'' ایک پہیلی جیسا کھیل ہے۔جس کے سکرپٹ میں کرداروں کے نام بھی وہی ہیں جو اس فلم بنانے والوں کے ہیں۔فلم سے باہر اور فلم کے اندر ایک جیسے ناموں اور کرداروں کی کہانی سے ناول میں الجھاؤ پیدا کیا گیا ہے۔حقیقت اور غیر حقیقت کی سی کیفیت سے کشمکش دکھائی گئی ہے جو کہ ایک ناقابل یقین انسانی ڈرامہ ہے۔ناول میں سارے نسوانی کردار ایسے ہیں جو اپنے مقصد کو پانے کے لیے کسی بھی حد تک جانے کو تیار ہیں جس کی بناء پر یہ کردار معاشرے میں عزت کی نگاہ سے نہیں دیکھے جاتے۔

مرزا اطہر بیگ کے کردار انسانی نفسیات کے قریب محسوس ہوتے ہیں یہی وجہ ہے کہ ناول ''حسن کی صورت حال'' کے کردار فطری معلوم ہوتے ہیں جو روتے ہنستے گاتے بے ہودہ گفتگو کرتے،جنسی عمل میں مصروف رسمیں نبھاتے ہوئے بغاوت پر آمادہ اور ظلم کا مقابلہ کرتے ہیں۔ ''ناول حسن کی صورت حال'' کی ایک خاص بات یہ ہے کہ انسانی کرداروں کے ساتھ ساتھ اس میں بے جان اشیاء بھی کہانی کو آگے بڑھاتی ہیں۔مثلاً میز، میگا فون اور وائن کی بوتل وغیر انسانوں کی دنیا کچھ دیر کے منجمد ہو جاتی ہے اور اشیاء ناول کے بیانیے میں مرکزی حیثیت اختیار کر لیتی ہیں۔

مصنف نے کتا، میز، عظیم نجات دہندہ جیسی مختلف علامتیں ناول میں استعمال کیں ہیں۔ناول میں فلم گروپ سے تعلق رکھنے والوں کا ایک دفتر ہے جسے سوانگ پروڈکشنز کا نام دیا گیا ہے۔اس دفتر میں ایک گول میز ہے جو مختلف نظریاتی تبدیلیوں کی طرف اشارہ کرتی ہے۔گول میز ایک علامت ہے۔جس کے ذریعے مصنف زندگی کے سفر کے تاریک اور روشن پہلو واضح کرتا ہے۔جب قاری گول میز کی کہانی پڑھتا ہے تو اس سے تشدد، موت، پیار جیسے مختلف رویے سامنے آتے ہیں۔مصنف نے گول میز کی کہانی کے ذریعے انسانی رویوں کو سامنے لانے کی کاوش کی ہے۔گزرے ہوئے لمحات کو فنکارانہ مہارت سے گرفت میں لیا ہے۔ماضی کو ایسے پیش کرتے ہیں کہ ناول لمحہ موجود کی صورت اختیار کر لیتا ہے اس کے ساتھ ساتھ کباڑ خانے سے جڑی کہانی سامنے آتی ہے اور تعجب ہوتا ہے کہ ایک کباڑیا کی دکان میں کوڑے کے ڈھیر

میں ایک ایسا مسودہ گم ہو گا جو دنیا کی قسمت تبدیل کرسکتا ہے۔اس کباڑ کمپلکس کو ایک عجائب گھر کی طرح ترتیب دیا گیا ہے۔ جہاں موجود انسان اپنی تلاش کرتے نظر آتے ہیں ۔ یہ عجائب گھر خود کی شناخت اور ظلم کی طرف اشارہ کرتا ہے ۔ پروفیسر صفدر سلطان جس کا مسودہ ردی میں کھو جاتا ہے۔کباڑ خانے میں رہنے لگتا ہے جہاں بہت سی فالتو اشیاء کا استعمال کر کے کارآمد چیزیں بناتا ہے اور ان چیزوں میں آدم خور پودا بھی ایجاد کرتا ہے۔ناول میں ایک کتا بھونکتا ہے جس کا پیٹ کبھی بھی نہیں بھرتا جس کے لیے وہ مسلسل مٹھائیاں کھاتا ہے جس سے چھٹکارا پانے کی کوئی ترکیب نظر نہیں آتی۔اس کتے کے کردار سے جڑے واقعات اور عظیم نجات دہندہ کے حالات ظالم حکمرانوں سے چھٹکارا پانے کی فریاد ہے۔ ہر شخص زندگی میں سکون کا طالب ہے لیکن حکمرانوں کا ظلم اور جارحیت پسندانہ رویہ اس سے رہائی نہیں ہونے دیتا ۔یہ وہ علامتی الفاظ ہیں جو مرزا اطہر بیگ ملکی سیاست کے لیے استعمال کرتے ہیں ۔’’ناول میں عظیم نجات دہندہ‘‘ والے واقعات ۱۹۸۰ء سے عصر حاضر کی پاکستانی تاریخ کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔’’ حسن کی صورت حال‘‘ خالی۔۔۔۔۔۔جگہیں۔۔۔۔۔۔۔پر۔۔۔۔۔۔کرو اپنے اندر بہت سے معنی لیے ہوئے ہیں۔اس کی معنی خیزی نہ صرف قاری کو چونکا دیتی ہے ۔بلکہ اُسے سوچنے پر مجبور کر دیتی ہے۔ پاکستان کے صدر ضیاء الحق سے لے کر عصر حاضر کے حکمرانوں کا عہدوں سے سبکدوش ہونے پر عوام کی خوشیوں کو علامتی انداز میں بڑی خوبصورتی کے ساتھ بیان کیا ہے ۔کہ اُس وقت کی تاریخ آنکھوں کے سامنے گردش کرنے لگتی ہے۔

مرزا اطہر بیگ نے صرف ملکی حالات و واقعات کو ہی نہیں لیا بلکہ انسان کی ذہنی کیفیات ، دلی جذبات، حیرتوں،حسرتوں، ناکامیوں، کامیابیوں، دکھوں اور خوشیوں کو بڑی خوبصورتی سے الفاظ دیئے گئے ہیں ۔ناول قاری سے باریک بینی، گہرے مطالعے کا مطالبہ کرتا ہے ۔ایک ہی وقت میں ناول میں زندگی کے حقیقی واقعات کی طرف اشارہ کیا گیاہے ۔تو دوسری طرف انسانی وجود سے انکار کرتے ہوئے کہانی کو حقیقت کے متوازی آگے بڑھایا گیاہے، رئیلزم سے سررئیلزم اور زمان و مکان سے طرح طرح کے کھیل کھیل کر سرئیلسٹ سینما بنایا گیا ہے

ڈاکٹر ایک عجیب سی پراسرار مسکراہٹ کے ساتھ جوزف کو بتاتا ہے کہ اُس کا باپ اگر اپنے ملک میں مر چکا ہے یہاں سینی ٹوریم میں ابھی زندہ ہے کیونکہ یہاں وقت کلاک کو ایک خاص وقفے کے لیے پیچھے گر کر دیا گیا ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔

پہلا جوزف جو سینی ٹوریم میں کھڑکی کے راستے سے داخل ہوتا ہے دوسرے جوزف کو دیکھتا ہے۔جو دروازے کے راستے سینی ٹوریم میں داخل ہوتا ہے۔جو دراصل اُس کا بچپن ہے۔" ۸

ناول میں پاکستان کی شہری زندگی اور اس کی افرتفری کے ساتھ ہمیں یورپین زندگی کے دھارے بھی ملتے ہیں۔کبھی یہ دونوں الگ اور کبھی متوازی چلتے ہیں۔لیکن موضوع کے لحاظ سے تمام کردار قریب قریب ہی محسوس ہوتے ہیں۔

ناول میں زندگی اس قدر ہل چل اور تیزی سے واقع ہوئی ہے کہ ایک نسل جو اپنی زندگی کا کچھ حصہ گزار کر بہت کچھ سیکھ چکی ہے اور نئی نسل جو سیکھنے کی عمر سے گزر رہی ہے باہم تضاد کا شکار نظر آتیں ہیں۔یہ تفریق ہمیں ناول میں مختلف کرداروں کے ذریعے نظر آتی ہے۔نئی نسل جو اپنے کام میں مگن اپنے مقاصد کو پانے کی ہر ممکن کوشش کرتی نظر آتی ہے۔ناول کے کرداروں کی زندگی کسی نہ کسی ایک واقعہ سے تبدیل ہو جاتی ہے۔جس سے ان کا جینے کا ڈھنگ بدل جاتا ہے۔

مرزا اطہر بیگ اپنے ناول میں کوئی نہ کوئی ایسا واقعہ لیے ہوئے جو ان کی ذاتی زندگی سے جڑا ہوا ہونے کے ساتھ ساتھ مصنف کے نقطہ نظر کی بھرپور عکاسی کرتا ہے۔یہ نقطہ نظر مرزا اطہر بیگ کی تحریروں کا بنیادی نقطہ ہے۔جس سے ان کا اسلوب جنم لیتا ہے۔اس ناول میں مصنف کی صورت میں زبان خود ایک کردار کے طور پر سامنے آتی ہے۔جو اپنے ارد گرد خالق کائنات کے پھیلائے ہوئے امکانات کی صورت میں حقیقی روپ میں پیش کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

"سمجھا جاسکتا ہے کہ گویا ہم حسن کے بھوت مصنف ہیں۔اصل صورت حال یہ ہے کہ ہمیں نہ صرف حسن کا بھوت مصنف بلکہ حسن کا بھوت بھی سمجھا جاسکتا ہے۔اس طرح ہمارے مدیر کے مداخلتی اختیارات تو برقرار رہیں گے ہی لیکن ساتھ ہی ایک عالم کل قادر کل مصنف کے لامحدود امکانات بھی ہم پر کھل جائیں گے۔ ۹

دوسرے بہت سے عوامل کے ساتھ اسلوب نے اس بدلتے ہوئے تناظر سے واضح اثرات قبول کیے۔اس میں رفتار سے پیدا ہونے والی آواز کا بلند آہنگ تو شامل ہوا اس کے ساتھ ساتھ سرگوشی کا انداز بھی ابھرا اور ادھوراپن بھی

پیدا ہوا ایک خواب ناک فضا میں عدم تکمیلیت ، اشاریت، جملوں میں متکلم کی نفسی حالت کے مطابق وقفے ''باب۔۔۔۔۔کو ن سا باب۔۔۔۔۔ہاں۔۔۔۔۔اچھا۔۔۔۔۔۔''کب تک۔۔۔۔جب تک۔۔۔۔۔دیکھتے ہیں۔''۱۰اور شاعرانہ انداز بیان''بیٹھو میاں جی بیٹھو لالہ میں ہوں البیلا ٹانگے والا'' ۱۱ اردو، انگریزی، پنجابی، فرانسیسی زبانوں کے الفاظ ناول کی زبان میں آکر اس طرح گھل مل گئے ہیں کہ اسلوب میں اجنبیت کا احساس نہیں ہوتا ہے'' enprintemp کے فرانسیسی الفاظ سکرین پر نمودار ہوتے ہیں۔انیلا سیفی سے پوچھتی ہے''یہ کیا لکھا تھا؟'' پھر نیچے لکھا انگریزی میں دیکھ لیتی ہے۔in spring''موسم بہار میں''۱۲لیکن اگر ان زبانوں کا ترجمہ نہ دیا جاتا تو قاری اجنبیت محسوس کرتا یا پھر اس کے لیے ان زبانوں کا جاننا ضروری ہوتا۔ناول کے اسلوب میں جہاں بہت سی خصوصیت پائی جاتی ہیں وہاں ایک خصوصیت مزاح کی بھی ہے۔اگرچہ یہ مزاح، مزاح سے زیادہ طنز کے زمرے میں داخل ہو جاتا ہے۔لیکن پھر بھی اس کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔مزاح کے جملے بہت کم استعمال ہوئے ہیں زیادہ تر صورت واقعہ سے مزاح پیدا کیا گیا ہے۔

ناول کی کئی سطحیں اور پرتیں نظر آتی ہیں جس کو راوی منفرد طریقے سے بیانیے میں قاری کے سامنے پیش کرتا ہے یعنی پرت در پرت کہانی کھلتی چلی جاتی ہے اور قاری انہی شخصی المیوں کے دائرے کے اندر گردش کرتا رہتا ہے۔ راوی مختلف پیچیدگیاں پیدا کرتا ہوا ان کو حل کرتا ہوئے آگے بڑھتا چلا جاتا ہے دوران روایت اپنی بات کو معتبر بنانے کے لیے کہانی میں خود اتر اتا ہے۔کہانی کار اپنے کرداروں کے متعلق خود رائے قائم کرتا ہے۔اور ان کی شخصیت کا جو زاویہ دکھانا چاہتا ہے وہ دکھاتا ہے۔کبھی کبھی اپنی بات پر زور دینے کے لیے اور بعض اوقات اپنی بات کو مفید بنانے کے لیے دلائل پیش کرتا ہے۔اس طرح کرتے ہوئے راوی فلسفہ تاریخ منطق وغیرہ کے علم سے کام لیتا ہے اور اپنا نقطہ نظر قاری پر واضح کرتا ہے۔ پورے ناول میں مصنف کی مداخلت رہتی ہے۔کہیں مصنف، مصنف بھوت کی صورت میں کہانی کے ایک کردار کے طور پر رہتا ہے تو کبھی راوی حیرت کے ایڈیٹر کے روپ میں بھی خود کو متعارف کرواتا ہے۔ ناول کو پڑھتے ہوئے قاری ایک خواب کی کیفیت محسوس کرتا ہے جو ایک ایسا خواب ہے جس میں کچھ بھی واضح نہیں اس ڈراونے خواب اور راوی کے اداراتی نوٹ پر توجہ دی جائے تو سمجھ میں آتا ہے کہ ناول میں کوئی اچھوتے خیالات اور باریکیاں پنہاں ہیں۔ پورے ناول میں ایک فلسفیانہ فضا ملتی ہے۔جو انسان کی تنہائی اور داخلی کرب کے ساتھ اور بہت سارے واقعات پر پھیلی ہوئی ہے۔تمام کہانیوں کو الگ الگ حسن کے حیرانیوں سے مکمل کیا گیا ہے۔ناول کے مرکزی

کردار حسن رضا ظہیر کے ذہن میں آنے والے خیالات کو ہو بہو ایسے پیش کیا گیا ہے کہ قاری اس کی پوری زندگی اُسی کی ذہنی فضا، ذہنی تجربے، اس کے خیالات اور نفسیاتی حالت سے پوری طرح واقف ہو جاتا ہے۔ جدید تکنیک فلیش بیک، خود کلامی اور مصنف کے وضاحتی ادارتی نوٹ روایتی بیانیہ سے مل کر ناول کے پلاٹ میں حصہ لیتی ہے اور واقعات میں کسی قدر ہم آہنگی پیدا ہوتی ہے۔ ورنہ ناول کا پلاٹ ڈھیلا ڈھالا ہے جو قاری کے لیے الجھاؤ کا باعث بنتا ہے۔

اکیسویں صدی کے اردو ناول کو دیکھیں تو مصنف نے پہلی بار اتنے بھرپور انداز میں انسانی نفسیات کے اچھوتے پہلوؤں کو کہانی میں سمویا ہے۔ ناول کو اگر فلسفیانہ ناول کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ مرزا اطہر بیگ اگرچہ فلسفہ کے استاد ہیں مگر فکشن میں بھی ید طولیٰ رکھتے ہیں۔ ''حسن کی صورت حال'' خالی ۔۔۔۔۔ جگہیں ۔۔۔۔۔ پر ۔۔۔۔۔ کرو میں فلسفیانہ مباحث کو بڑی خوش اسلوبی سے جگہ دی گئی ہے۔ اس ناول میں جس انسان پر بات کی گئی ہے۔ وہ ذہنی خلفشار کا شکار ہے۔ ۔ ناول میں اگر زندگی فرحت کے لمحات کا نام ہے تو دوسری طرف زندگی خوف دہشت کی پرچھائیوں کا نام بھی ہے۔ مرزا اطہر بیگ کی تخلیق میں وہ تمام رویے سامنے آتے ہیں جو دانشوروں اور مفکرین کے تخیل میں زندہ رہے ہیں ان کا اصل فن ناول نگاری ہے۔ ناول کے فن پر انہیں جو مہارت حاصل ہے وہ اردو میں کم لکھنے والوں کے حصے میں آتی ہے۔ مرزا اطہر بیگ اس عہد کے معتبر ترین ناول نگاروں میں شامل ہیں۔ ان کی ناول نگاری میں ندرت خیال اور اسلوب کی تازہ کاری دکھائی دیتی ہے۔ وہ زبان و بیان کو قدرے مختلف لیکن خوبصورت ڈھنگ سے استعمال کرتے ہیں۔ زبان و اسلوب کے حوالے سے ان کا ہر ناول ایک منفرد ناول ہے۔ ''حسن کی صورت حال'' میں نئے آہنگ کے ساتھ سیاسی سماجی صورت حال کو بھی اجاگر کیا گیا ہے۔ اس ناول میں جدید تنقیدی نظریات کے اثرات دکھائی دیتے ہیں۔ جن کو مرزا اطہر بیگ نے اپنے تخلیقی عمل سے جوڑا ہے۔ ہم بجا طور پر یہ کہہ سکتے ہیں کہ مرزا اطہر بیگ فلسفہ، تاریخ، تنقید، نفسیات، تجرید، آپ بیتی کی آمیزش سے تیار کردہ ''حسن کی صورت حال خالی ۔۔۔۔۔ جگہیں ۔۔۔۔۔ پر کرو'' جیسا ناول لکھ کر بلاشبہ اکیسویں صدی کے کامیاب ناول نگار رہے۔

حواشی

۱۔مجلہ،راوی،لاہور : جی سی یونیورسٹی،۲۰۰۹ء

۲۔ذاتی انٹرویو،اطہر بیگ،مرزا،لاہور : نارنگ آرٹ گیلری،۷فروری ۲۰۱۵ء

۳۔اطہر بیگ،مرزا،"حسن کی صورت حال خالی۔۔۔۔۔جگہیں۔۔۔۔۔پر۔۔۔۔۔کرو"لاہور سانجھ پبلی کیشنز، ۲۰۱۴ء،ص ۱۰

۴۔ایضاً،ص ۵۹۹

۵۔ایضاً،ص ۶۰۰

۶۔روزنامہ ایکسپریس،سنڈے ایکسپریس،۲نومبر ۲۰۱۴ء

۷۔شمارہ نمبر ۲۱،۲۰۱۵ HumShehroinline.com

۸۔اطہر بیگ،مرزا،"حسن کی صورت حال خالی۔۔۔۔۔جگہیں۔۔۔۔۔پر۔۔۔۔۔کرو" ص ۲۷

۹۔ایضاً،ص ۳۲

۱۰۔ایضاً،ص ۷۷

۱۱۔ایضاً،ص ۸۵

۱۲۔ایضاً،ص ۲۶۵

***

PAYGHAM-E-ASHNA

ISLAMABAD - PAKISTAN

Vol. 22, S.No.87

(April to June) 2022

Chief Editor

Ehsan Khazaei

Editor

Dr. Ali Kumail Qazalbash

CulturalConsulate

Embassy of Islamic Republic of Iran, Islamabad

House No. 25, Street No 27, F-6/2, Islamabad, Pakistan

Ph:051 2827937-8 Fax: 051 2821774

Email: iran.council@gmail.com, payghameashna@gmail.com

Web: http://ur.icro.ir/IslamAbad

Editorial Board

Iftikhar Arif, Ex,DG, Idara e Forogh e Urdu Pakistan,Islamabad

Dr. Muhammad Saleem Akhtar, Ex Honorary Editor, Pegham-e-Ashna

Dr. Hilal Naqavi, Pak Study Centre, Karachi University, Karachi

Dr. M. Akram Ikram, Chairperson, Iqbal Chair, Universit y of Punjab, Lahore

Dr. Mehr Noor Mohammad Khan, Ex-Chairperson، Dept.of Persian NUML, Islamabad

Dr. Mohammad Yousaf Khushk, Chairperson Academy of letters Pakistan, Islamabad

Dr. Shugufta Mosavi, Ex HOD, Persian Department, NUML, Islamabad

Dr. Ambaer Yasmeen, HOD, Persian Department, NUML, Islamabad

Advisory Board

Dr. Ibrahim Mohammad Ibrahim, Chairperson، Dept.of urdu, Al Azhar University, Egypt

Dr. Haider Raza Zabit, Islamic Research Centre, Astan-e-Quds Rizvi, Mashad, Iran

Dr. Khalil Tauq Aar, Chairperson، Dept,.of urdu Ankara University, Istanbul, Turkey

Prof. Sahar Ansari, Anjuman Taraqi e Urdu , Karachi.

Dr. Abdullah Jan Abid, Chairperson، Department of Pakistani Languages, AIOU,Islamabad

Dr. Iraq Raza, Chairperson Dept.of Persian Jamia Milia Islamia, Dehli, India

Dr. Ali Bayat, Chairperson Dept.of urdu, Tehran University, Tehran, Iran

Dr. Maqsood Ilahi Sheikh, Research Scholar, Bradford, England

Dr. Mohammad Nasir, Chairperson Dept.of Persian, Oriental College, UoP, Lahore

Dr. Najeeba Arif, Deen, IIUI, Islamabad.

Payghame-Ashna

VOL. 22, S.NO. 87
(APRIL TO JUNE) 2022

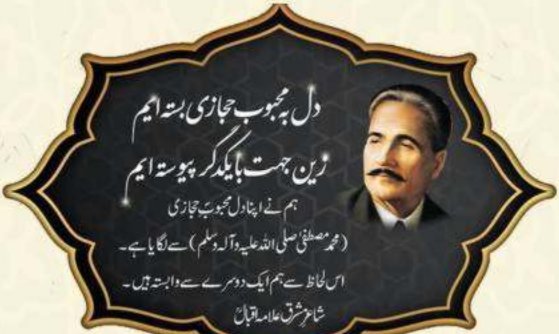

رایزنی فرہنگی سفارت جمہوری اسلامی ایران - اسلام آباد

ISSN: 2079-4568